

THE
WAY OF SALVATION

رَاحَةُ نَجَاتٍ

مصنفہ

ایم۔ حنیف مرحوم

ہم کیونکر بچیں گے اگر اتنی بڑی بھت سے غافل رہیں۔ (عبرانیوں ۲-۳)

پنجاب لکچرنس سوسائٹی

انارکلی۔ لاہور

تعداد جلد ۱۰۰۰

P.R.B.S. LAHORE

دفعہ دوم قیمت فی جلد ستر

Rev Michael Joseph. Cell # 92 300 7233 854.
vscalesus@gmail.com
vesmicheal@yahoo.co.uk
Eveninglist Yousaf Masih.
Cell # 92 300 7233 853.

فصل اول فہرست مضامین کے کتابچہ منتخب

دیباچہ

تمہید

فصل اول - توبہ کے بیان میں

فصل دوم - توبہ کی علت غائی

فصل سوم - ایمان کی ماہیت

فصل چہارم - ایمان کا بدعا

فصل پنجم - چند اعتراضوں کے جواب

فصل ششم - گنہگار کی نجات کا وسیلہ

فصل ہفتم - ایمان کا علاقہ نجات کے ساتھ

فصل ہشتم - ایمان کا اخلاقی اثر

فصل نہم - پاکیزگی کا علاقہ ہمیشہ کی زندگی کے ساتھ

فصل دہم - تتمہ - چند نصیحتیں مکمل

صفحہ

۵ - ۱

۱۱ - ۶

۳۸ - ۱۲

۶۱ - ۳۸

۸۴ - ۶۱

۱۱۳ - ۸۵

۱۲۲ - ۱۱۳

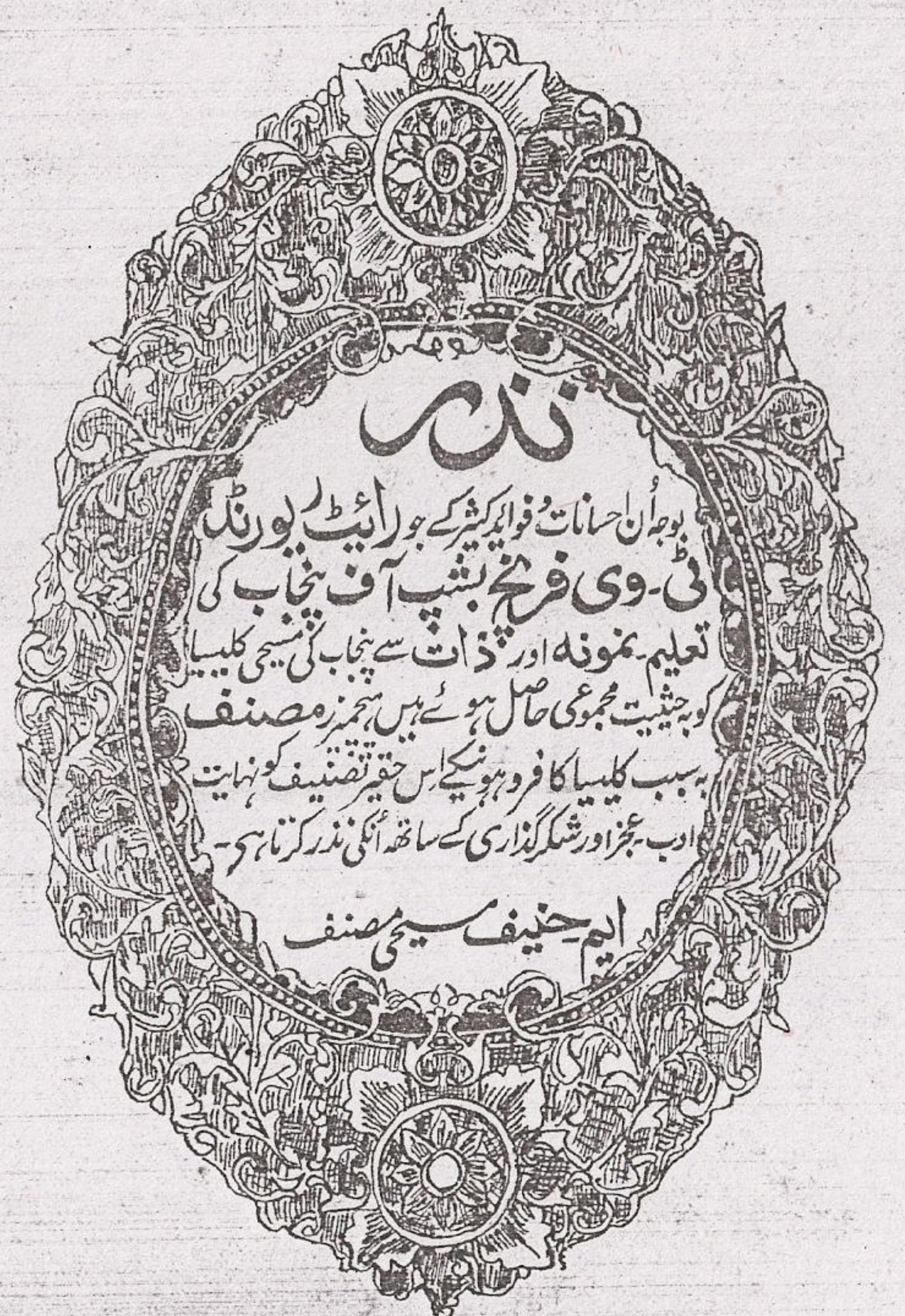
۱۴۲ - ۱۲۲

۱۴۹ - ۱۴۲

۱۵۰ - ۱۴۹

۱۸۶ - ۱۵۰

۱۹۲ - ۱۸۶



پرانے اور نئے عہد نامہ کی آیتوں کی صحیفہ دار فہرست

کتاب میں سند طور پر آئی ہیں

پیل نامہ نامہ

صفحہ	نام صحیفہ باب و آیت	صفحہ	نام صحیفہ باب و آیت
۲۷	۳۰: ۳۲ - ۹	۱۵۵	ایوب ۲: ۱۹
۲۲	۴: ۵ - ۲۲	=	= ۷: ۲۰
۱۷۶	۲: ۲	۲۴	استقنا ۲۰: ۱۸ - ۲۹
۱۸۳	۵: ۲ - ۵	۳۰	یشوع ۱۹: ۷
۵۲	۱۱: ۱۶	۳۷	اول سلاطین ۲۶: ۸
۱۸۴	۱۵: ۱۸	۱۲	= ۲۷: ۸
۱۷۵	۱۰: ۷ - ۱۹	۱۵۵	دوسرا سلاطین ۲۱: ۲۰
۵۲	۱: ۳۲	۲۹	نحمیاہ ۱۱: ۵ - ۱
۱۲	۲۱: ۵۰	۲۷	ایوب ۲۰: ۹

Rev Michael Joseph. Cell # 92 300 7233 854.
yscaljesus@gmail.com
yesmicheal@yahoo.co.uk
 Evenglist Yousaf Masih.
 Cell # 92 300 7233 853.

نام صحیفہ	باب	آیت	صفحہ
زبور	۵۱ باب		۲۹
"	۳: ۵۱		۲۷
"	۵۱: ۲	خزقی ایل	۱۹
"	۱۷: ۵۱		۲۰
"	۵۱: ۱۷		۱۸
"	۵۱: ۲۷		۱۷
"	۵۱: ۲۷		۱۷
"	۱۱۲: ۵-۹		۱۷
"	۱۱۹: ۱۲۰		۱۷
"	۱۳۹: ۱۷	دانش	۱۸
اشال	۲۳: ۲۶		۳۱
بسیاہ	۱: ۲		۲۹
"	۲۳: ۲۳	میکہ	۳۱
"	۷۵: ۷		۹۷
"	۷۵: ۹-۱۰	ذکریا	۵۵

فیاء نامہ

نام صحیفہ	باب	آیت	صفحہ
مشی	۳: ۲		۱۲
"	۷: ۱۲-۱۳		۵۵
"	۹: ۱۳		۱۲
"	۱۱: ۲۸		۲۸
"	۲۵: ۱۶		۲۳
"	۲۶: ۲۸		۲۸
لوقا	۵: ۱۷		۱۵
"	۱۹: ۱۶	یوحنا	۵۸
"	۱۱: ۹-۱۳		۱۶۶
"	۱۳: ۲		۲۲
"	۱۵: ۷-۷		۵۶
"	۱۵: ۸-۱۰		"

نام صحیفہ باب آیت	صفحہ	نام صحیفہ باب آیت	صفحہ
یوحنا ۱۲: ۳۳-۳۲	۴۶	اعمال ۲۰: ۲۶	۳۲
۱: ۱۴	۶۸	رومیوں ۲: ۲	۴۴
۶: ۱۴	۱۴۲	۵: ۲	۵۸
۱۴: ۱۴	۱۵۹	۲۲: ۲۰	۶۸
اعمال ۲: ۳۸-۳۹	۵۲	۲۰: ۱۹	۸۲
۱۹: ۳	۱۲	۱۲: ۴	۱۴۲
۳۱: ۵	۴۹	۴: ۵	۲۴
۱۰: ۳۳	۱۵۶	۸: ۵	۴۴
۹: ۱۵	۱۶۵	۸: ۵	۴۶
۹: ۱۵	۸۲	۲۲: ۴	۳۴
۳۱: ۱۶	۴۹	۹: ۴	۱۸
۳۰: ۱۴	۴۲	۲۲: ۱۲	۱۴۵
۳۱: ۱۴	۱۲	۲۹: ۸	۱۵۶
۲۱: ۲۰	۳۲	۲۹: ۸	۱۴۳
۲۸: ۲۶			

نام صحیفہ باب آیت	صفحہ	نام صحیفہ باب آیت	صفحہ
رومیوں ۱: ۱۱	۱۴۴	دوسرا وقتیں ۱۰: ۴	۴۶
۱: ۱۲	۱۵۴	گلہنیوں ۱۵: ۶	۱۸۳
اول وقتیں ۲۰: ۶	۱۵۴	افسیوں ۱۴: ۳	۱۶۳
۲۳: ۴	۱۴۳	۲۴: ۲	۱۴۳
۴: ۹	۱۵۴	پہلا وقتیں ۳: ۳	۱۵۴
۲۵: ۹	۱۰۳	۲۱: ۵	۱۰۳
۲۴: ۹	۴۸	پہلا وقتیں ۱۲: ۱	۴۸
۱۰: ۱۳	۲۴	۱۵: ۱	۲۴
دوسرا وقتیں ۱۸: ۳	۴۰	دوسرا وقتیں ۱۲: ۱	۴۰
۱۵: ۱۲-۱۵	۱۶۱	۱۶: ۳	۱۶۱
۱۴: ۵	۱۵۴	طیبتس ۱۴: ۲	۱۵۴
۱: ۴	۵۳	عبرانیوں ۶: ۶	۵۳
۱۰: ۴	۴۸	۲۵: ۴	۴۸
۱۰: ۴	۴۳	۲۵: ۴	۴۳

نام صحیفہ باب آیت	صفحہ	نام صحیفہ باب آیت	صفحہ
عبرانیوں ۲۲: ۹	۲۸	اول پوچنا ۱: ۲	۱۵۹
۱: ۱۱	۷۰	۳: ۳	۱۵۷
۸: ۱۱	۶۶	۳: ۳	۱۵۴
۱۲: ۱۲	۱۷۰	۲۳: ۳	۸۰
اول طبریں ۲: ۱	۱۵۷	۱۱-۹: ۵	۷۱
۱۸: ۳	۳۳	دوم پوچنا ۶ آیت	۱۵۴
اول پوچنا ۸: ۱	۳۸	۲: ۱۵	۱۷۵
۹: ۱	۲۸	۲۷: ۲۱	۱۸۳/۱۵۷

تنبیہ۔ سوائے ان معدود آیات کے اور بھی بہت سی آیات کلام الہی کتاب ہذا میں سداً آئی ہیں جن کا تلباس بھی کیا گیا ہے مگر حوالہ نہیں دیا گیا +

Rev Michael Joseph. Cell # 92 300 7233 854.
yscaljesus@gmail.com yesmicheal@yahoo.co.uk
 Evenglist Yousaf Masih. Cell # 92 300 7233 853.

راہِ نجات

خدا باپ بیٹے اور روحِ لہتِ دس تین تنوم اور ایک خدا

کی حمد و ستائش ابد تک ہو

دیا چہ

کتاب ہذا شروع کرنے سے پہلے ہم صرف چند کلمے ناظرینِ گنیمت میں عرض کرنا چاہتے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔ کہ جس دن سے ہم نے مسیحی دین کی نورانی صداقتوں کو دیکھا اور جانچا اور ثابت کیا کہ یہی دینِ ابد سے ہے اور یہی دین ہے جس میں ہو کے گنہگارِ نجات ابدی اور قربتِ خدا حاصل کرتا ہے اُس دن سے ہمارا یہ مصمم ارادہ رہا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو تو ہم یہ بتائیں گے کہ ہم نے مسیحی دین میں کیا کیا فضیلتیں اور خوبئیں دیکھیں اور بالخصوص کیا کیا برکتیں اس

دین سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ اب خدا کے فضل نے جو حقیقی اور سچا ہادی ہر ہم کو قوت دیا ہے کہ اپنے خیالات اور تجربوں کو اور اور لوگوں کے تجربوں کو بھی جو کہیں کہیں سے ہم کو دستیاب ہو سکے اس کتاب میں درج کریں اور اسکا نام **راہِ نجات** رکھیں۔

ہم نے اس کتاب کے متن میں جہاں تک کہ ممکن ہوا ہے مباحثہ اور دیگر مذاہب کی تردید کو نظر انداز کیا ہے۔ ہماری رائے میں اُن لوگوں نے جو ہم سے پہلے لکھ چکے ہیں ان معاملوں کو ایسی خوبی اور خوش سلوپی سے طو کر دیا ہے کہ اب پھر سے اُن پر لکھنا عبث نہیں تو لا حاصل تو ہوگا۔ ہم سرخم کر کے تسلیم کرتے ہیں کہ اُنہوں نے بحث مباحثہ وغیرہ میں میدان جیت لیا ہے اور کوئی دقیقہ ہمارے واسطے باقی نہیں چھوڑا ہے۔ تو بھی ہم نے ایک نئی صورت سے اس امر کو ثابت کرنیکی کوشش کی ہے کہ گنہگار کے فائدہ اور بھلائی کا دین یہی ہے جسے **مسیحی دین** کہتے ہیں ہم نے کتاب ہذا میں یہ نہیں کیا کہ دیگر مذاہب پر نکتہ چینی یا حرف گیری کریں بلکہ اُن **فضیلتوں** کو جو مسیحی دین میں موجود ہیں سلسلہ وار بیان کر کے عام اصولوں سے اس امر کا اظہار کیا ہے اور دکھایا ہے کہ مسیحی دین کے سوائے یہہ **فضیلتیں** دنیا بھر میں کسی اور دین خواہ اُسکا نام کیا ہی ہو پائی نہیں جاتی ہیں۔ اور خصوصاً اجمالاً یہہ ثابت کیا ہے کہ اُن مذاہب میں جن کا رواج

ہمارے ملک میں ہر ان فضیلتوں کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔ اور آخر میں ناظرین سے درخواست کی ہے کہ مسیحی دین کی اندرونی خوبیوں کو نظر انصاف سے دیکھیں اور اسے قبول کریں۔

تفسیر بھی ہم مان لیتے ہیں کہ بے شمار اور فضائل بھی مسیحی دین میں موجود ہیں جنکا بیان ہم سے نہیں ہوا اور تعجب نہیں ہے کہ جو بیان ہم نے بعض کا کیا وہ بھی قاصر ہو لیکن جو کچھ ہم نے خدا کی مدد سے کہا ہے ہم سمجھتے ہیں کہ انصاف کر نیوالے کو سمجھانے کے لئے بس ہے۔

ان صفحوں میں ہمارا محض یہی مدعا نہیں ہوا کہ مسیحی دین کے بالمقابل دیگر مذاہب کی تکذیب کریں بلکہ ساتھ ہی اور خاص کر اپنے دینی بھائیوں کے فائدہ اور تقویت کو بھی اپنے سامنے رکھا ہے اور بتایا ہے کہ خداوند سبحان نے ہمارے لئے کیا کیا اور اب ہم کو اُسکے واسطے کیا کرنا ضرور ہے۔ اور پھر یہ بھی کہ کیونکر اور کن کن اطوار سے یہ کام ہم کر سکتے ہیں جو دلائل ہم نے اس کتاب میں استعمال کئے ہیں اُنکی نسبت صرف اتنا کہنا ہے کہ اکثر وہ عقل عام پر منحصر ہیں اور جہاں تک تحریر کی پابندی نے ہم کو اجازت دی ہے ہم نے اکثر اُنکو اصطلاحات میں بیان نہیں کیا بلکہ ایسے طور پر تحریر کیا ہے کہ عام فہم لوگ بھی اُنکو آسانی سے سمجھ سکیں۔ لیکن ہم پھر بھی جانتے ہیں کہ بعض مقامات میں ہم کو معرب اور اصطلاحی الفاظ استعمال کرنیکی ضرورت لاحق ہوئی اور ہم نے مجبوری اُنکا استعمال کیا۔

اس خدمت کے کام کو جو ہم نے اپنے دل بہلانے اور فرصت کے وقت کو کاٹ چھانٹ کے محض **خداوند یسوع مسیح** کے جلال کی خاطر کیا ہے۔ اب ہم ادب عاجزی معافی کی درخواست اور دلی دعا کے ساتھ مشتہر کرتے ہیں اور اُمید کرتے ہیں کہ خداوند جو نہایت مہربان ہے اس خدمت کو نہ صرف قبول کریگا بلکہ اپنی روح پاک کے وسیلہ کسی نہ کسی بھٹکی ہوئی روح کو اپنی طرف پھیرے گا اور اُسکو جو آگے باغی تھی اپنی فرزندیت کا رتبہ اور درجہ بخشے گا۔

یہاں مناسب ہے کہ ہم صاحبان ذیل کا شکریہ ادا کریں جنکی تصنیفات و تالیفات سے ہم نے کتاب ہذا کی نوشت میں بہت سا فائدہ اٹھایا اور بہت سی مدد حاصل کی۔

(۱) پادری جان مودن صاحب کا لکچر مشمی بہ کیریکٹر آف کراچیٹ

(۲) پادری ڈاکٹر آرچی بلڈ الیگزینڈر کار سالہ۔ ایویڈنسز آف

کرسچینٹی

(۳) پادری جی ایس ہونر کی نادر تالیفات السٹریس گید رنگز۔

صاحبان مندرجہ بالا کی تحریرات سے جہاں تک کہ اب مجھے کو یاد ہے میں نے کچھ نقل نہیں کیا نہ کوئی ترجمہ کیا ہے۔ مگر مجھے کو یاد ہے کہ ان رسالوں کے مطالعہ سے تحریر رسالہ ہذا کے وقت میں نے بہت سی مدد حاصل کی اور یہی وجہ شکر گزاری کی ہے مگر میں خاص کر صاحبان ذیل کی تصنیفات کے

استعمال کیواسطے نہایت شکریہ اور پرلے درجہ کا احسان ظاہر کرتا ہوں۔ یعنی پادری پریسٹر ڈینٹ سیموئیل ڈیویز مرحوم کے وعظ مفید مضامین پر۔ پادری ہنری فارسی بندلر ڈی ڈی مغفور کار سالہ۔ وی آف سالویشن۔ ان ہر دو صاحبان کی تصنیفات میں سے بہت کچھ لیا اور اُسکا کتاب ہذا میں استعمال بھی کیا حتیٰ کہ نام بھی وی آف سالویشن۔ یعنی سراہ نجات رکھا۔ اسکے سوائے میں نے تحریر کی وقت اور بھی بہت سی کتابوں کا مطالعہ کیا جنکے نام اب مجھ کو یاد نہیں اور جہاں تک کہ مجھ کو یاد ہے مندرجہ بالا صاحبان کے سوائے میں نے کسی اور صاحب کی تصنیف سے چنداں فائدہ نہیں اٹھایا نہ اُس میں سے کچھ کتاب ہذا کی تصنیف میں لیا۔ اسلئے اُنکا نام لکھنا بھی کچھ ضرور نہیں ہے۔

سرد و آخر الذکر صاحبان اس دافانی سے کوچ کر گئے ہیں اور ناظرین اور راقم بھی ایک دن وہی راہ لینگے۔ پس مناسب ہے کہ ہم سب موت کے واسطے ہمیشہ طیار رہیں اور خداوند یسوع کو جو ہمارا نجات دہندہ اور ایمان کا مدعا ہے اپنے سامنے زندگی بھر رکھیں۔ اُسی کا جلال ابد تک ہو۔ آمین۔

ایم حنیف

گورداسپور
جولائی ۱۸۸۷ء

مہربانی

اگر انسان چاہے کہ خدا کی طرف پھر سے رجوع کرے جسکی اُس نے بغاوت کی ہو تو توبہ ایک لایمکن ضروری بات ہے۔ اگر نہ توبہ پا مستغرق معصیت انسان خواہش کرے کہ کسی طرح نجات کی خوشخبری میں شریک ہو تو ایمان ویسے ہی ضروری شے ہے۔ اگر انسان جو گناہ کی گندگی سے بھرا ہوا ہے ابدی خوشحالی حاصل کرے تو پاکیزگی ایک لازمی بات ہے۔

* حاشیہ ہم نے اس امر کو تسلیم کر لیا ہے کہ انسان گنہگار ہے اور اسی سبب اس امر پر بحث کرنا اور اُس کے ثبوت میں دلائل لانا عبث ہے کیونکہ تاریخ تجربہ اور مشاہدہ اسکی تصدیق میں سیکڑوں لاجواب دلائل پیش کرتے اور کر سکتے ہیں چشم نظر ہیں کو کسی اور نظیر کی ضرورت نہیں۔ سلیم عقل کو کسی شاہد کی حاجت نہیں۔ مسلم امر کو ثابت کرنا محض تضحیح اوقات ہے مگر انسان کے دل کی فریب دہی کا عجب ڈھنگ ہے گنہگار بایں ہمہ کہ دن رات گناہوں میں مبتلا رہتا ہے تو بھی ہمیشہ اپنی تسلی یوں کر لیا کرتا ہے کہ فلاں فلاں وجہ سے یہ گناہ ہو گیا یا یہ کہ یہ خاص گناہ کچھ بہت خراب نہیں ہے۔

پس ظاہر ہے کہ اگر ہم مذہب کی ذاتی اور حقیقی معانی و مقاصد کا خلاصہ کریں تو مختصر پُر معانی الفاظ میں یوں ہو گا تو توبہ کر کے خدا کی طرف لوٹنا۔

بقیہ حاشیہ اور اکثر اپنے دل کی تسلی ایسی ایسی باتوں سے کر لیا کرتا ہے کہ خیر میرا اس

امر میں کچھ قصور نہیں ہے۔ اور اگر کچھ ہے بھی تو اللہ معاف کرے والا ہے۔

فلاں فلاں اشخاص تو مجھ سے زیادہ گناہ کرتے ہیں میں تو پھر بھی

اُن سے اچھا ہوں۔ حتیٰ کہ اُسکی عقل ایسی تاریک اور ضمیر ایسی کند

ہو جاتی ہے کہ وہ اپنی کمجنت اور خراب حالت کو پہچان بھی نہیں سکتا اور

بدی کی بدی سے بھی ناواقف ہو جاتا ہے اور بسا اوقات بدی میں فخر کرتا

اور اُسکو اپنی بھلائی نیکی یا عزت کی شوخیال کرتا ہے۔ اسلئے اگر چند کلمے

انسان کی برشتگی کی حالت کی نسبت کہے جائیں تو غالباً نازیبا نہ ہونگے۔

کسی ملک اور کسی قوم میں جاؤ کسی زبان کی لغت کو دیکھو لفظ نیک

و بد یا اُنکے ہم معنی دوسرے الفاظ ضرور متعل اور موجود پاؤ گے۔ یہہ

بات عالمگیر ہے اور ظاہر ہے کہ جو بات عالمگیر ہو اُسے سچ اور برحق ماننا

پڑتا ہے۔ ورنہ یہہ ظاہر نہیں ہوتا کہ کیوں اور کس وجہ سے سب کے سب

آدمیوں نے جو عادت مزاج۔ خیالات وغیرہ میں ایک

دوسرے سے بالکل مخالف اور متضاد صفات سے موصوف ہیں۔

ایمان خداوندِ یسوع پر لانا اور قل و سیئت حاصل کرنا جسکے بغیر کوئی شخص خدا کی قربت حاصل نہیں کر سکتا۔ توبہ میں دل کی سرگرمی اور جوش شامل ہے

بقیہ حاشیہ ہم پوچھتے ہیں کہ کیوں اور کیونکر سب کے سب کسی خاص امر کو تسلیم کر کے

قبول کر لیا گیا ہے وجہ نہیں کہ اُسے تسلیم کئے بغیر وہ لوگ رہ نہیں سکتے

تھے۔ دوسرے الفاظ میں جسے یوں کہہ سکتے ہیں کہ طبیعت اور رشت

نے ہی اُنکو مجبور کیا کہ اس امر کو قبول کر لیں کہ انسان گنہگار ہے۔ اب

وہ لوگ کیا کہہ سکتے ہیں جو اکثر اپنے دلوں کی فریب دہی کے سبب

کہا کرتے ہیں کہ گناہ کوئی چیز نہیں ہے۔ صرف انسانی تمدنی تعلقات اور

روزمرہ کے برتاؤ کے سبب ایسے لفظوں کی ایجاد اور استعمال کرنیکی

ضرورت لاحق ہو گئی ورنہ فی نفسہ نہ کوئی بھلا ہے نہ بُرا۔ ہم کہتے ہیں

سارے جہان میں سارے ملکوں اور قوموں نے کیوں اتفاق کر لیا

کہ مثلث مثلاً چورسی۔ زنا کاری وغیرہ گناہ ہیں۔ اگر صرف تمدنی

تعلقات کے سبب ایسے ایسے لفظ ایجاد کئے جاتے تو ظاہر ہے کہ مختلف

مالک اور مختلف اقوام میں ضرور مختلف خیال چوری زنا کاری وغیرہ

نسبت رکھے جاتے۔ یقیناً یہ عالمگیر اتفاق ہم کو کچھ تو سکھاتا ہے اور

وہ یہی نہیں سکھاتا کہ اگر چورسی بذاتہ مکروہ یا بد نہ ہوتی تو ظاہراً

جو گنہگار کو مجبور کرتا ہے کہ گناہوں سے مُنہ پھیر کے خدا کی طرف لوٹ آئے۔ ایمان

وہ اکیلا وسیلہ ہے جس سے انسان خدا کی طرف پھر سکتا ہے۔ پاکیزگی حقیقی ایمان کا

بقیہ حاشیہ اس عالمگیر اتفاق کی اور کوئی وجہ نہ تھی۔ اس کے سوائے ہم مختصر سے

یہ بھی پوچھتے ہیں کہ سب سے پہلے آدمی کو نیک و بد کا خیال کیونکر آ گیا۔

انسان طبعی خیالات کا موجد نہیں ہے۔ بعض خیالات اُسکی طبعی حالت سے

ایسا تعلق رکھتے ہیں کہ اُسکی ضمیر اُنکو طوعاً کرہاً نیک یا بد کے لفظ

سے موسوم کرتی ہے۔ یہ قوت تمیز جسے ضمیر کہتے ہیں انسان کی ہادی

اور رہنما اس دنیا میں ہے۔ (یعنی کلام خدا اور روح پاک جو دو بڑے

ہادی ہیں اُنکے سوائے) اس کے فیصلہ میں کسی کو قیل و قال کی مجال

نہیں رہتی ورنہ ضمیر ضمیر نہیں نہ انسان میں تمیز کرنے کی طاقت ہے

اور وہ جنگلی حیوانات کے برابر بلکہ ادنیٰ تر ہو گیا۔

بعض ایک اور قسم کا خیال رکھتے ہیں۔ کہ بعض بعض خدا کے

برگزیدے اور حضرت قدوسیت کے پیارے گناہ سے مبرا ہوتے ہیں

ہم اس امر پر بحث کرنا فضول سمجھتے ہیں کیونکہ خدا کے پاک کلام کی شہادت

اس امر پر صاف اور کامل ہے۔ اگر خدا نے کبھی کسی برگزیدے کو کہا ہو کہ تو

بیگناہ ہے تو معاملہ طر ہو گیا۔ پر اگر اسکے خلاف صاف صاف کلموں میں

Rev Michael Joseph. Cell # 92 300 7233 854.
yscaljesus@gmail.com yesmicheal@yahoo.co.uk
Evenglist Yousaf Masih. Cell # 92 300 7233 853.

لازمی نتیجہ ہے جس میں انسانی نیک خصائل شامل ہیں جو روزمرہ کے بڑاؤ و مزاج اور خواہش میں ظاہر کرتے ہیں کہ قوی اور ایمان خالص ہو یا ناخالص چنانچہ

بقیہ حاشیہ بلا روئے و رعایت کہہ دیا ہو کہ سب کے سب گنہگار اور بدکار ہیں

کوئی نیکو کار نہیں ایک بھی نہیں تو بحث ختم ہو چکی۔ پادری ولیم ہوپر صاحب نے کتاب موسومہ حقیقت گناہ میں اور پادری ای ایم ویری صاحب نے اپنے ناظر رسالہ نبی معصوم میں اس مسئلہ پر کافی بحث کی ہے۔ اور خوب ثابت کر دیا ہے کہ یہ خیال عبث ہے۔ جو لوگ زیادہ تلل طور سے اس امر کو طر کرنا چاہتے ہیں وہ ڈاکٹر ہار جزیہبالو جی بشپ ہو کو س ایکلی زی اسٹیکل پالٹی اور دیگر ایسی کتابوں کو مطالعہ کریں مسیحی مذہب کے بنیادی سچے اصولوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہمارے جد امجد بابا آدم نے گناہ کیا اور اُسکے گناہ کا اثر اُسکی اولاد میں پھیل گیا حتیٰ کہ فردا فردا ہر ایک گناہ آلودہ ہو گیا۔ نصف مزاج حق پسند محقق اس مسئلہ کے ثبوت کی نظیر خود میں اور دیگر ہر ایک میں دیکھتا ہے خواہ وہ کسی رتبہ درجہ اور عہدہ اور عزت کا کیوں نہ ہو۔ اور یہ بدیہی ہے کہ جو لوگ زیادہ بھلے ہوتے ہیں وہی زیادہ تر اپنے گناہوں کے واقف اور مقرر ہوتے ہیں چنانچہ انبیائے سلف اپنے عاصی اور سرتاپا گنہگار ہونیکا (نہ صرف حالت عجز

ظاہر ہے کہ نجات کا حصول صرف ان تین امور پر موقوف ہے اور بہت مناسب ہے کہ حق جو ان باتوں پر غور کرے جن کا ذکر مختصر اذیل میں کیا جاتا ہے۔

بقیہ حاشیہ میں جیسا کہ بعض کا گمان ہے بلکہ الفاظ کے حقیقی اور اصلی معانی میں صاف

صاف زبان حال و مقال سے اقرار و اظہار کرتے ہیں۔ جب خدا کے تفریق کا یہ حال ہے تو ما و شما کی نسبت کیا اور کہنا مناسب اور جائز نہیں ہے؟ کم سے کم اس میں تو کلام نہیں کہ ہر ایک خدا پرست اس بات کا اقرار کرے گا کہ کبھی نہ کبھی اُس نے اپنے اُس حقیقی خالق کو جسکی طرف ضرور ہے کہ ہر ایک کا ولی پیار اور محبت ہو (جتنا اُس کا حق تھا اتنا پیار نہیں کیا۔ کبھی نہ کبھی اُس ذات بابرکات کی جولائق سجود و تعظیم ہر اتنی عزت نہیں کی جتنی کہ لازم اور فرض تھی۔ اگر اس کتاب کے پڑھنیوالے کو راقم الحروف کا یہ خیال درست معلوم ہو تو یہی کافی ہے کہ انسان کی گنہگاری اور برستگی کی پوری دلیل ہو جائے۔ فی الجملہ صرف اتنا کہنا باقی ہے کہ کتاب ہذا کا خاص خطاب گنہگاروں سے ہے اور صرف ایسوں ہی کے فائدہ تسلی ہدایت اور تعلیم کیواسطے لکھی گئی ہے جو خود کو گنہگار مانتے ہیں۔ لہذا اور اور دلائل جو آسانی سے پیش کئے جاسکتے تھے اس سبب سے اب نظر انداز کئے جاتے ہیں۔

ایم حنیف

فصل اول

توبہ کے بیان میں

واضح رہے کہ توبہ کے ضروری اور مفید ہونی کا خیال ہم کو تب ہی ٹھیک اور درست طور پر آسکتا ہے جب ہم غور کریں کہ کتنے توار و اور تواتر اور کس قدر سنجیدگی اور سگری سے کتب الہامی میں اسکا ذکر آتا ہے۔ چنانچہ ہم پڑھتے ہیں کہ حضرت یوحنا اصطباغی کے مدلل پریرزور اور پرتاثر منادی کا لب لباب انہیں چند حرفوں میں تھا کہ توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہت نزدیک ہے۔ متی ۳: ۲۔ علاوہ ازیں خود ہمارا خداوند یسوع مسیح ہم کو زبان مبارک سے یقین دلاتا ہے کہ اس کی اس دنیا میں خادموں کی سی حالت اختیار کر نیکا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ گنہگاروں کو توبہ کی طرف بلائے۔ متی ۹: ۱۳۔ ایک ممتاز ملہم رسول یوں فرماتا ہے کہ خدا نے اُسکو (یسوع) اسلئے بادشاہ اور منجی کیا کہ وہ گنہگاروں کو توبہ اور گناہوں کی معافی بخشے۔ اعمال ۵: ۳۱۔ پھر مرقوم ہے کہ حضرت پولوس جب انس کی کلیسیا کے سامنے اپنی کامیاب خدمت کا ذکر کرتے اور ان صد اقول

کا بیان فرماتے تھے جنکی تعلیم انہوں نے خود خداوند سے پائی تھی تو آپ نے فرمایا کہ پہلی بات توبہ ہے جیسا کہ اعمال الرسل ۲۰: ۲۱ میں مسطور ہے۔ خدا کے آگے توبہ کرو اور ہمارے خداوند یسوع مسیح پر ایمان لاؤ۔

توبہ کے بیان میں صرف دو مفید اور ضروری امر ہیں جن کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ یعنی اول توبہ کی ماہیت۔ دوم وہ خواہش جو توبہ کی طرف لیجاتی ہے۔ جو لفظ ملہم رسولوں نے توبہ کی جگہ استعمال کیا ہے اس سے نیت کی تبدیلی مفہوم ہوا۔ اسکا زیادہ درست ترجمہ یوں ہوگا۔ دل کی تبدیلی خدا کی طرف خصوصاً ان گناہوں سے جو خدا نے قدوس کے خلاف ہیں اور عموماً ان الفاظ کا مفہوم وہی ہے جو لفظ توبہ سے ہوا کرتا ہے یعنی اپنے گناہوں سے پچھتا کر اور ان سے نفرت کر کے خدا کی طرف رجوع کرنا۔ کتب الہامی میں دل کی اس تبدیلی سے وہ تبدیلی مراد ہے جو بالضرور عادت اور زندگی کے اطوار پر ایک بڑا اثر پیدا کرتی ہے اور اس میں پانچ دلی حالتیں شامل ہوتی ہیں۔

- (۱) اپنی خستہ حالی اور خرابی کو دیکھنا۔
- (۲) دل سے یقین کرنا کہ میں سرتاپا گنہگار ہوں۔
- (۳) اپنی خستہ حالی اور بربادی پر نادم اور غمزدہ ہونا۔
- (۴) اپنے گناہوں کا بلا عذرے و جیلے اقرار کرنا۔
- (۵) بدل جانا۔

چنانچہ ظاہر ہو کہ یہ پانچوں ایک یا دوسری صورت میں محض دلی تبدیلیات ہی ہیں یعنی اول خیالات کی تبدیلی۔ دوم ضمیر کے فیصلہ کی تبدیلی۔ سوم دل کی حالت کی تبدیلی۔ چارم زبان کے اقرار کی تبدیلی۔ پنجم عادات و اطوار کی تبدیلی۔ حقیقی توبہ ان پانچ تبدیلیوں کے بغیر ہونہیں سکتی۔ اب ان پانچوں کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔

اول ضرور ہو کہ گنہگار اپنی خستہ حالی اور خطرہ سے واقف ہو اور اُس پر خوب غور و خوض کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ایک روحانی قانون ہے کہ جب تک جسمانی مریض کی طرح وہ اپنی روحانی بیماری سے واقف نہ ہو تب تک اُس کا علاج نہیں ہوتا۔ پس ضرور ہو کہ گنہگار اپنے گناہوں کو نہ صرف مجملًا بلکہ مُنفردًا سوچا کرے۔ اور یہ کام ہر ایک شخص خود اپنے واسطے کر سکتا ہے۔ پر عام قاعدہ یہ ہے کہ گنہگار کی یادداشت اور خدا کے کلام پاک میں ضرور مبالغت ہوتی ہے۔ چنانچہ زبور ۵۰: ۲۱ میں لکھا ہے کہ میں تیرے کاموں کو تیری آغوشوں کے سامنے ایک ایک کر کے دکھاؤنگا۔ اور حزقیل ۲۰: ۲۳-۳۴ میں یہ مضمون آیا ہے کہ تم اپنی روشوں کو اور اپنے سب کاموں کو جن سے تم ناپاک ہوئے ہو یاد کرو گے اور تم اپنی ساری بد کاریوں کے سبب جو تم نے کی ہیں اپنی نظر میں گھنوںے ہو گے حضرت سلیمان بھی اپنی مضمون دُعا میں یوں فرماتے ہیں پہلا سلاطین ۸: ۴۷۔ اگر وہ اُس زمین میں جس میں وہ اسیر ہوئے رہیں سوچنے لگیں اور توبہ کریں۔ اور کہیں کہ ہم نے گناہ کیا ہم نے گستاخی کی ہم نے شرارت کی وغیرہ۔ علیٰ ہذا القیاس اُس خوبصورت اور

مؤثر تمثیل میں جو نافرمانی و لڑکے کی تمثیل کے نام سے مشہور ہے اُس بے پرواہ اور نادان لڑکے کا خود ہمارا خداوندیوں ذکر فرماتا ہے کہ تب وہ ہوش میں آئے بولا۔
لوقا ۱۵: ۱۷۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ پہلے وہ مدہوش تھا۔ جو کچھ اُس نے کیا وہ شیا اور صاحب فکر شخص ہرگز نہیں کرتا۔ ہوش میں آنے سے پہلے وہ گویا حماقت کا کھیل شیطان کا کھلونا اور گناہ کا غلام بنا ہوا تھا۔ اُسے حال کے آرام اور آسائش کے سوائے کسی اور چیز کا فکر نہ تھا نہ آئندہ کا فکر نہ حال کی بد حالی کا خیال۔ اسی طرح افسوس ہے کہ اس دنیا میں جو دلفریب اور مدہوش کرنیوالی ہر کتنوں کا یہی حال ہوتا ہے کتنے ہیں جن کو انکی ذات کے نہایت ضروری امور (مثلاً وہ امور جن سے انکی روحانیت کا علاقہ ہے یا جن سے انکی تقدیس وابستہ ہے) بالکل وہم و گمان میں بھی نہیں آتے۔ بلکہ کتنے ایسے ہیں جو اس دنیا کی بیرونی شان و تزک یا دولت یا درجہ غرور و عزت یا اپنے دل کی خواہشوں اور ہوسوں یا علمی عقلی اور جسمانی حصولات میں ایسے غلطان پیچاں ہو رہے ہیں کہ انکو اپنی آئندہ زندگی کی بھلائی یا بُرائی کا خیال بھی نہیں آتا۔ اور وہ بھی اس لڑکے کی طرح مدہوش اور بے فکر ہو رہے ہیں۔ پر توبہ کرنے والا خدا

* **حاشیہ** ہائے اس کمجنت گناہ کی بد حالی۔ ہائے اس خانماں آوارہ کرنیوالے کی سنگدلی ہائے اس ظالم خونخوار کی سختی۔ یہہ دل کو اپنی لذت کے نشہ میں ایسا مدہوش کر دیتا ہے کہ اُسے کچھ بھی نہیں سوچتا۔ اُسے اپنی ہی بھلائی بُرائی کا خیال بھی

کی روح کی مدد سے جاگ اٹھتا ہو اور بڑی فکر کے ساتھ اپنے آپ سے یہہ پوچھتا ہو کہ میں کیا کرتا رہا ہوں۔ اب تک میری زندگی کس بات میں خرچ ہوئی میں نے کیا حاصل کیا میری ہستی کا مطلب کیا تھا اور میں نے کیا کیا۔ کیا اُس مدعا اور مقصد کو جو میرے خالق اور میرے انصاف کرنیوالے کا مجھ سے تھا میں نے اپنی آنکھوں کے سامنے رکھا۔ کیا میں نہایت بُری سزا کے لائق نہیں ہوں کہ میں اُس خدا کو جس نے مجھے

بقیہ حاشیہ نہیں آتا۔ اس جادو و نظر سحر نگہ کی ایک نظر ہی متاع عقل و اخلاق کا فور کر دیتی ہے

روحانیت اور تقدیس کا تو نام و نشان بھی باقی نہیں چھوڑتی۔ یہہ بد بخت پہلے بیٹھی نیند سلا دیتی ہے اور انسان کو کچھ ہوش نہیں رہتی۔ حتیٰ کہ وہ یہہ بھی نہیں جانتا کہ اُسکے فائدہ کے خلاف کون کون سی شے ہو۔ غرض کہ یوں بھی کہنا بجا ہے کہ اُسکی قوتِ ممیزہ کو بھی ایک قسم کی روحانی نیند میں ڈال دیتا ہے۔ یہہ ظلم بے خبری میں لوٹتا ہے یہہ دشمن بے فکری میں دھوا کر تا اور سب کچھ جو بھلا ہے لیجاتا ہے۔ جب انسان کی یہہ حالت ہوتی ہے تو خدا کی پاک روح طح طح کے وسائل سے

اُسے جگانے لگتی ہے اور اُن میں سے پہلا یہہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی حالت سے واقف ہوتا ہے۔ پھر وہ اپنی آنکھیں کھولتا ہے اور اپنی نہایت خطرناک حالت کو دیکھ لیتا ہے۔

پس امیڑ صنیو اے اگر خدا کی روح اس کتاب کے وسیلہ تجھے تیری بری حالت سے جگائے تو دیکھ تو ہو مشیار ہو جانا ورنہ تیرا بڑا نقصان ہوگا۔ ایم حنیف

پیدا کیا یوں بھول گیا مجھے ضرور تھا کہ اُسکی اطاعت کروں اور اُسکی خدمت میں زندگی بسر کروں میں نے کیا کیا کیا ہے۔ کیا میرے خیالات خدا کی طرف بہت کم اور بہت لاپرواہ نہیں ہوئے۔ وہ دل جو آگے بے پرواہ تھا جب اتنی ترقی کرے تو کہا جاتا ہے کہ اب وہ ہوش میں آگیا۔ اب وہ جاگتا ہے۔ اب اُس میں سنجیدگی سے سوچنے اور غور کرنا شوق اور طاقت پیدا ہو گئی ہے۔ تب وہ خدا کی کلام کو نظر نصیحت و ہدایت پڑھتا یا سنتا ہے۔ تب وہ خدا کے بندوں سے صلاح لیتا ہے اور اُنکی صلاح عمل کرتا ہے۔ مُردہ دل جب پھر سے جان پکڑے اور مد ہوش دل جب پھر سے ہوش میں آئے تو ہم کہتے ہیں کہ اُسکی حالت مبارک ہے یہہیں ٹھہر جانا بس نہیں ہے۔ آئندہ ترقی ضروری ہے۔ انسانیت کا دستور ہے کہ ایک جگہ قائم نہیں رہتی یا تو آگے کو بڑھتی یا پیچھے کو ہٹے گی۔ یہہ حالت مبارک حالت تو ہے خطرہ اب تک بنا ہوا ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ اکثر لوگ اسی حالت میں رہ جاتے ہیں یہہ بڑا مضر ہے۔ اُنکی نجات کی امید اتنی ہی کم ہو سکتی ہے جتنے زیادہ وہ اس حالت میں رہنا چاہتے ہیں۔ پس بہت ضرور ہے کہ جہاں تک ہو سکے اس حالت سے نکلے آگے بڑھے۔ اور دوسرے درجہ میں آئے جس کا ذکر ذیل میں ہے۔

دوم۔ توبہ کرنے والا گنہگار یقین کرتا ہے کہ میں سرتاپا گنہگار ہوں یعنی یہہ کہ وہ اپنے گناہوں سے قائل ہوتا ہے۔ اسے ضمیر کے فیصلے کی تبدیلی کہتے ہیں۔ اس کے دو خاص نشان ہوا کرتے ہیں۔

(۱) پورے طور پر معلوم کر لینا کہ میرے گناہ کیسے بد ہیں اور اُنکی سزا کیسی بھاری ہے اُنکی

تعداد کیسی پیشمار اور انکی حد کہاں تک ہے حضرت پولوس ایک مقام پر اپنی نسبت یوں فرماتے ہیں کہ میں آگے بے شرم ہو کے جیتا تھا۔ رومیوں ۷: ۹ ظاہر ہے کہ حضرت پولوس نے اپنی زندگی بھر میں جب سے ہوش سنبھالی شریعت کے احکام سے کبھی بھی ناواقف نہ تھے۔ البتہ اسکی روحانی معنی سے وہ ایک مدت تک ناواقف رہے۔ اور اسی سبب سے اپنے گناہوں کی کثیر تعداد اور انکے حقیقی معانی سے بالکل نابالداور ناواقف رہے۔ آخر الامر جب شریعت کی اصلی اور حقیقی معنی زور سے انکے دل پر آشکار ہوئے اور انکے ضمیر پر جواب تک ایک قسم کی تاریکی میں تھی ایک قسم کی روحانی روشنی ہو گئی تو انکی کثیر تعداد گناہ اور انکی بدی انہیں معلوم ہو گئی اور شریعت پر تکیہ کرنے کی فریب یوں کی سی امید جاتی رہی تب وہ بول اٹھے کہ گناہ جی اٹھا اور میں مر گیا حضرت پولوس کی حالت کا بیان حقیقی تو یہ کا عام نمونہ کہا جا سکتا ہے خدا کی شریعت کا راز وہم کو دکھلاتا ہے کہ ہم جتنا خیال کیا کرتے تھے۔ اُس سے کہیں زیادہ گنہگار ہیں جن گناہوں کو ہم آگے ذرہ سی بات سمجھا کرتے تھے وہ اب ہم کو بڑے بڑے اور بھاری معلوم ہونے لگتے ہیں۔ تب ہم ضمیر کی عدالت گاہ کے سامنے نہ صرف فعلی بلکہ خیالی اور دلی اور قوی گناہوں کے بھی مجرم قرار دیے جاتے ہیں۔ تب ہماری یادداشت ہمارے گناہوں کی ایک بھاری فہرست ہمارے سامنے پیش کرتی ہے اور ہم انکے قبول کرنے میں دم نہیں مار سکتے۔ ہم اپنی ضمیر کی اور خدا کی شریعت کی ترادویں تو لے جاتے ہیں اور کم نکلتے۔ دانیل ۵: ۲۰۔ تب ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ جس نیکی پر ہم خوشی کیا کرتے تھے اُس میں بھی خطا اور قصور ہے غرض کہ

جتنا زیادہ ہم اپنے آپ کو بنظر تعقل و انصاف دیکھتے ہیں اتنا ہی زیادہ ہم اپنی زندگی کی بدیوں اور اپنے دل کے فریب اور دغا سے واقف ہو جاتے ہیں۔ اور ہماری ضمیر ہم کو بھر پور کھتی ہے کہ۔ ایک بار اور پھر اور تو اس سے بھی زیادہ گنہ گار دیکھیں گے۔ خرقی ایل ۸: ۳ و ۱۵ و ۱۶۔ (۲) گناہوں سے حقیقی طور پر قائل ہونے کا ایک یہ بھی نشان ہے کہ گنہگار قائل ہو جاتا ہے کہ سزا کا بیان کرنے اور گنہگار کو سزا دینے میں خدا بالکل راست اور عادل ہے۔ ایک طور پر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ وہ خدا کی سید مہربانی کا قائل ہوتا اور کہتا ہے کہ خدا مہربان ہے کیونکہ اُس نے ہم کو شریعت دی اور شریعت کی عدول کی سزا بھی ہم کو بتا دی۔ اور حق اور جائز بلکہ عین انصاف ہے کہ ہمارے گناہوں کی سزا ہم کو دے۔ اب اُسے صاف دکھائی دیتا ہے کہ خدا کا عدل اسکی مہربانی کے متضاد نہیں۔ وہ دیکھتا ہے کہ عدل سے جو کچھ نکلتا ہے وہ الہی ذات کے جلال الہی عرش کی عزت اور دنیا کی بھلائی کا باعث ہوتا ہے۔ تب وہ یقین کرتا ہے کہ گناہ نہ صرف خالق کی بعزتی بلکہ خود مخلوق کا نقصان ہے تب وہ دیکھتا ہے کہ ضرور ہے کہ گناہ کی سزا دی جائے نہ اسلئے کہ گناہ کسی غیر ضروری اور وہابی سے قانون کا عدل ہے بلکہ اسلئے کہ شریعت تمام اخلاقی اور انتظامی حکومت قائم رکھنے کی واسطے بالکل لازمی ہے چنانچہ زبور نویس یونہی گناہ سے قائل ہوا اور تب اُس نے اپنے خیالوں کا اظہار یوں کیا۔ میں نے تیرا ہی گناہ کیا ہے اور تیرے ہی حضور بدی کی ہے۔ تاکہ تو اپنی باتوں میں صادق ٹھہرے اور اگر تو عدالت کرے تو تو پاک ظاہر ہو۔ زبور ۵۱: ۴۔ بجائے خدا کے عدل

والصاف پر رجوگناہوں کی سزا دینے میں ظاہر ہوتا ہے، الزام لگانے کے حضرت داؤد
اس جگہ اقرار کرتے ہیں کہ سب سے بھاری سزا بھی گناہ کی واجبی عوض سے بڑھ کر
نہیں ہے۔ یہ بیان کرنا کچھ آسان نہیں ہے کہ انسان کس درجہ تک گناہ سے قائل ہوتا ہے
درحالیکہ اس کے دل میں توبہ نہ ہو پر ایک بات تو یقینی ہے کہ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ضمیر
کے فیصلہ کے سبب انسان اپنے گناہوں سے قائل ہوتا ہے اور اکثر ابتدائی تعلیم دیاوی
مُصیبت اور اور ما جرمے بھی یہ اثر پیدا کیا کرتے ہیں پھر بھی کبھی کبھی دل میں تبدیلی نہیں
ہو کرتی۔ پس اسی حالت پر نفاعت کرنا اور آگے نہ بڑھنا بھی خطرناک ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے جو
گناہ سے قائل ہو اور پھر بھی گناہ کے بوجھ سے نکالنا جائے وہ بہت دکھ میں ہوتا ہے
پس تیسرا درجہ یہ ہے +

سوم اپنی گنہگاری اور خستہ حالی پر نادام اور غمزدہ ہونا یہ بھی دل کی ایک تبدیلی
ہے اور اس کا علاقہ پیشتر ہمارے گناہ اور ہماری ناشکر گزاری کے ساتھ ہوا کرتا ہے عموماً
یہ خیالات اُس دل کے ہوتے ہیں جو خستہ اور شکستہ ہوتا ہے۔ زبور ۵۱ : ۱۷ +
گناہوں کی ندامت و خیالات سے ہوتی ہے۔ اول یہ ہے کہ انسان اپنے گناہوں
سے غم کھائے۔ دوسرا اپنی عاجزی کی حالت کو چھپانے۔ اور اگر کوئی اور خیال بھی اسکے
ساتھ شامل ہو سکتا ہے تو وہ یہ ہے کہ ایسی حالت میں دل الہی مہربانی اور الہی فضل کے
حصول کی امید سے بھرا ہو۔ گناہ سے قائل ہونا اور گناہ کی واسطے غم کرنا دو جدا امر ہیں جو

کبھی کبھی ایک دوسرے کے ساتھ اور کبھی کبھی جدا ہوا کرتے ہیں۔ گناہ سے قائل ہونے
میں فی الحقیقت گناہ کے لئے غم کرنے سے زیادہ ہوتا ہے۔ تاسف اور غم گناہ کے ساتھ
ہمیشہ ہوا کرتا ہے یعنی جب کوئی شخص اُس گناہ کو جس کا اُسے بڑا شوق تھا پورا کر چکے تو
ایک قسم کا غم اُس کے ساتھ ہی اُس شخص کے دل میں پیدا ہوتا ہے وہ غم جو گناہوں سے
حقیقتاً قائل ہو جانے سے نکلتا ہے ایک بالکل زراقی قسم کا غم ہے جس کی کیفیت کا بیان
احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ المختصر یہ غم اللہ کا عطیہ کہنا چاہئے دیکھو ۲ قرنیوں ۱۰ : ۱-
جس سے توبہ پیدا ہوتی ہے مثلاً اگر کوئی اپنی حماقت یا فضول خرچی سے خود کو برباد و غریب
کر دے تو ممکن بلکہ اغلب ہے کہ اُس کے دل میں ایک قسم کا غم خود کردہ افعال کی طرف سے
پیدا ہو۔ ممکن بلکہ ضرور ہے کہ جو شخص جان بوجھ کے اپنے پانوں پر تیشہ مارے وہ بعد میں اپنی
کم عقلی اور نادانی پر تاسف کرے جس شخص کو اُس کے کسی گناہ نے زندان خانہ میں قید کر دیا
ہو ممکن ہے کہ اپنی بدی اور خصوصاً اسکے نتیجہ پرست ہی تاسف کرے۔ پر اس قسم کے افسوس
سے توبہ نہیں نکلتی۔ ایک اور قسم کا غم بھی ہوا کرتا ہے یعنی یہ کہ جس شخص کے دل میں خدا کی
عمداً اور اراداً بغاوت کرنے کا خیال ہو ممکن ہے کہ وہ اپنے گناہوں کی آئندہ سزا پر بڑے
غم اور جانکنی کے دکھ سے خیال کرے پر توبہ بھی وہ غم جو الہی غم کہلاتا ہے اُس کے دل میں نہ
ہو جس سے توبہ پیدا ہوتی ہے۔ ایک طرح پر یہ بھی کہنا درست ہے کہ جیہود اسکر یوطی نے بھی گناہ
کا غم اور افسوس کیا اُس نے اپنے بڑے قبیح گناہ پر بڑے غم اور خوف سے نظر کی اور اسکے

نتائج کو بڑی ناامیدی سے دیکھا۔ پھر میرے غم اور شیطان کے فریب نے اُسے ایسا ناامید کر دیا کہ وہ ہلاکت کے خوفناک گڑھے میں گر گیا۔ اسکے بالمقابل حضرت ایوب کا غم دیکھو۔ اپنے یاروں کی دلائل سے تنگ ہو کر وہ اُسی خدا کی طرف جس کا قصور اُس نے زبان اور مزاج سے کیا تھا یوں مخاطب ہو کے بولا۔ میں نے تیری خبر اپنے کانوں سے سُنی تھی پر اب میری آنکھیں تجھے دیکھتی ہیں۔ اسلئے میں اپنے آپ سے بیزار ہوں اور خاک اور راکھ میں بیٹھ کے توبہ کرتا ہوں۔ ایوب ۴۲: ۵-۶۔ وہ خدا کے جلالِ عظمت کو دیکھنے اور اپنی نالائقی پر نظر کر کے مغلوب ہو گیا۔ اُس نے خدا کی قدوسیّت کو دیکھا اور اپنی ناپاکی سے بیزار ہو گیا۔ اُس نے خدا کے رحم اور فضل پر نظر کی اور اُمید کی خوشامرونی کو اپنے دل میں آنے دیا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تائب ہوا۔ اسی طرح اُس محصول لینے والے کا حال یہی ہے جس نے آسمان کی طرف آنکھ تک نہ اٹھائی بلکہ چھاتی پیٹ کے اور غم کر کے یوں بولا اے خداوند مجھ کو بھگائیے مگر پر رحم ہو۔ لوقا ۱۸: ۱۳۔ وہ غم جو توبہ پیدا کرتا ہے ناامیدی میں اُمید سے ملا ہوتا ہے۔ اور غم کے ساتھ خواہش بھی پیدا کرتا ہے کہ خدا کی طرف پھر سے رجوع ہو۔

خدا کے فضل کے خیال سے دو طاقتور تاثیریں نکلتی ہیں جو دل کی سختی کو نرم کر کے اُس میں گویا توبہ کا بیج لگا دیتی ہیں۔
اولا۔ ہم خیال کرتے ہیں کہ ہمارے دورِ بغاوت و ناشکری میں خدا تعالیٰ کا کس قدر

رحم اور فضل ہمارے شامل حال رہا۔ ہم خود مقرر ہوتے ہیں کہ ہم نے جناب باری تعالیٰ کا گناہ کیا۔ اُس نے تو ہم کو بچوں کی طرح پالا پوسا پر ہم نے اُس سے دشمنوں کی مانند کشتی اور بغاوت کی۔ یسعیاہ ۱: ۲۔ ہم اقرار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ ہم نے اُس احکم الحاکمین کی حکومت کو۔ اُس مہربان اور فیاض مہربانی کی فیاضی اور مہربانی کو اور اُس محبت کرنے والے باپ کی محبت کو ناحق چھوڑا اور گویا اپنے پانوں کے تھے روندا۔ ہم مان لیتے ہیں کہ ہم گنہگار ہیں کہ ہم نے اُس کی دی ہوئی طاقتوں کو بددعویٰ سے استعمال کیا جو خوشی میں ہم کو نصیب ہوئیں ہم نے اُن کو بدستعمال کیا۔ ہم نے اپنی چند روزہ زندگی کے اکثر وقت کو یہودہ فرخات میں تلف کیا اور اکثر نیکی کرنے کے موقعہ کو ہاتھ سے نہ صرف کھو دیا بلکہ اُس کے بالعوض بدی بھی کی فی الجملہ کہ ہم نے نہ صرف وہی نہ کیا جو کرنا ہم کو لازم تھا بلکہ جو ہم کو کرنا لازم نہ تھا وہ بھی کیا اور ناشکر ہوئے۔ یہ خیال ہمارے غموں کو تلخ کر دیتے ہیں اور ہمارے دل کی ملامت ہم کو جانکاہی کے عالم میں لے آتی ہے۔ تب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہم دونوں طرح سے قصور وار ہیں یعنی یہ کہ ہم نے اب حیات کے سوتوں کو چھوڑ دیا اور ٹوٹے پھوٹے حوضِ قبول کے جس میں نہ تو پانی ہے اور نہ ٹھہر سکتا ہے یہاں ۲: ۲۰۔
ثانیاً۔ ہم کو یہ خیال ہوتا ہے کہ بایں ہمہ ناشکری و ناشپاسی جناب باری تعالیٰ بھی

ہماری بدیوں سے گویا چشم پوشی کر کے ہم کو اپنے آپ ہی فضل کا عافیت بخش پیغام سناتا ہے۔ جب دل اس حالت میں ہوتا ہے تو پڑے پر جوش خیاالات اس میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً اس دل کی بابت خیال کرو جو نہ صرف یہ جانتا ہے کہ میں ہی گنہگار ہوں بلکہ یہ بھی کہ جس پر بھی سیح مجھ سے بیدارین کی خاطر ہوا۔ رومیوں ۵: ۶۔ یہ خیال اس میں کیا کیا سنگ اور جوش پیدا نہ کرتے ہو گئے۔ وہ کس حیرانی اور عجب سے طرقتانہ ہوگا۔ کہ خدا نے اپنی محبت ہم پر یوں ظاہر کی کہ جب ہم گنہگار ٹھہرے تو مسیح ہمارے واسطے ہوا۔ رومیوں ۵: ۸۔ تب وہ کس ولولہ کس جوش اور کس محبت سے یہ کلام سنتا ہوگا کہ یہ بات بالکل حق اور قبولیت کے لائق ہے کہ مسیح یسوع گنہگاروں کی بھائی و بھائی آیا۔ پہلا مٹاؤس ۱: ۱۵۔ ہاں ایسی گنہگار کو فقی جیسا کہ میں ہوں۔ تب وہ دل سے یہ کہنے پر مستعد ہوتا ہے کہ ابن اللہ دنیا میں آیا اور اس نے اس قدر دکھ اور بے عزتی کو گوارا کیا۔ اور کس مطلب سے۔ کیا یہی نہیں کہ وہ گنہگاروں کو توبہ کی طرف رجوع کرائے۔ راہ سے بھٹکے ہوؤں کو ڈھونڈھے بچائے۔ مجھ کو بھی ڈھونڈھتا ہے جو ایسا گنہگار ہوں کہ اس کی حکومت کا باغی اس کی محبت کے کلام کی تحقیر کرنے والا اور سالہا سال تک اس سے ناواقف

رہا ہوں۔ میرا چلن ایسا کہ میں خود ہی نادم ہوں۔ میرے دل میں بے ایمانی ناشکر گزاری اور ریاکاری بھری ہوئی ہے۔ اپنی ساری روش اور چلن سے خدا کے قہر اور غضب شدید کا مستحق اور سزاوار ہوں۔ تو بھی اللہ تعالیٰ خود اپنے بیٹے کے وسیلے مجھے کہتا ہے کہ میں اُسے مقبول ہو سکتا ہوں۔ کیا پھر بھی میں اُس سے جدا ہوں۔ نہیں نہیں میں اٹھکے اپنے باپ کے پاس جاؤنگا اور کہوں گا کہ اسی باپ میں نے تیرا اور آسمان کا گناہ کیا ہے اور اب اس لائق نہیں ہوں کہ تیرا بیٹا کہلاؤں یا تیرا نوکر بھی ہونے کی عزت حاصل کروں۔ پر تو اپنے نام کی خاطر مجھے معاف کر دے اور اپنے عزیز بیٹے کی خاطر جو گنہگاروں کے بچانے کو ہوا میرے گناہوں کو مٹا ڈال۔ یہ ایسی دعا ہے جس کی طرف خدا کبھی اپنے کان بند نہیں کرتا۔ کیونکہ اُس کا وعدہ لکھا

حاشیہ: ہم نے اس کل کتاب میں اس امر کو تسلیم کر لیا ہوا ہے کہ خداوند یسوع مسیح کے نام کے سوائے اور کسی سے گنہگار کی نجات نہیں ہے نہ ہو سکتی ہے۔ یہ ہمو ایک خود رانی صداقت معلوم ہوتی ہے اور اگر تجربہ کچھ قدر رکھتا ہے تو ہم آسمان اور زمین کے روبرو اقرار کرتے ہیں کہ ہم نے اس صداقت کو خود آزمایا اور اسے نورانی پایا۔ مباحثہ اور مناظرہ کی بہت سی کتابیں موجود ہیں جو چاہے دیکھے۔ ہم محض عقلی دلائل کو کام میں نہیں لاتے۔ پر خدا کے کلام

ہر اور ضرور ہے کہ پورا ہو کہ جو کوئی خداوند یسوع مسیح پر ایمان لائے ہرگز ہلاک نہ ہوگا بلکہ حیات ابدی کا وارث ہوگا۔ یوحنا ۳: ۱۶ +

چارم۔ اپنے گناہوں کا بلا غدرے و حیلے اقرار کرنا۔ سچی توبہ کی یہ ایک خاص نشانی ہوتی ہے کہ تائب گنہگار اپنے گناہوں کا بلا کم و کاست اور بلا غدرے و حیلے صاف صاف اقرار کرتا ہے۔ اور یہ امر دل کی ایک تبدیلی ہے جس کا اظہار زبان سے ہوتا ہے۔ بے توبہ دل ہمیشہ خود کو بے گناہ اور جہان شک ہو سکے بہت بے خیال کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر کوئی خطایا قصور اسے نظر بھی آئے تو اس یا اس خاص سبب اور علت کا بہانہ کیا کرتا ہے۔ غرض کہ اپنی نیکی پر شیخی اور اپنی راستبازی پر ناز کرتا ہے۔ چرب توبہ پیدا ہوتی ہے تو یہ تمام گھمنڈ اور شیخی کا فوراً جو جاتی ہے۔ اب وہ اپنے آپ کو شیشہ میں دیکھتا ہے اور خود ہی شرمندہ

بقیہ حاشیہ۔ کی ہدایت اور بیان کو قبول کرتے ہیں۔ اس جگہ زیادہ طوالت کے ساتھ اس امر کا ذکر کرنا بے موقع ہے۔ جب موقع آگے چلکر ہم مدلل اور قاطع دلائل سے اور تفسیر یہ کہ ایک نئے دھنگ سے اس صداقت کا بیان کریں گے۔ اور دکھا دیں گے کہ یہ مسئلہ عین صداقت ہے جس کا ماننا فرض ہے اور جسے اگر کوئی تسلیم نہ کرے تو آپ اپنی سزا کو اپنے پر بھڑکاتا ہے اور خدا کے غضب کو اپنے پر کستا ہے +

ایم حنیف

ہوتا ہے جس خوبصورتی پر وہ آگے نازاں تھا اب اس کا حال اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بالکل گندگی تھی۔ اور حضرت ایوب کے یار عز کی الفاظ میں تائب ہو کے وہ یوں بول اٹھتا ہے کہ "اگر میں اپنی بے گناہی ظاہر کروں تو میرا ہنہ مجھے گنہگار ٹھہرائیگا اگر میں یہ کہوں کہ میں سچا ہوں تو اس سے میری کج فہمی ثابت ہوگی" ایوب ۹: ۲۰۔ اگر میں اپنے کو برف سے دھوؤں اور اپنے ہاتھوں کو صابن سے پاک کروں تو بھی تو مجھے گڑھے میں غوطہ دیکھا اور خود میرے کپڑے مجھ سے نفرت کریں گے کیونکہ وہ (اللہ) مجھ سے نہیں ہے کہ میں اسکی جوابدہی کروں اور ہم ایک ساتھ عدالت میں حاضر ہوں۔ ایوب ۹: ۳۰-۳۲۔ ان خیالات کو اپنے دل میں لئے ہوئے وہ اپنے دل سے اور اپنے لبوں سے اس تائب گنہگار اور شکستہ جان دل کے ہم آواز ہوتا ہے جس نے یوں کہا "میں نے تیرا ہی گناہ کیا ہے اور تیرے ہی حضور بدی کی ہے۔ زبور ۵۱: ۳۔ تب وہ عجز سے کہتا ہے کہ اے میرے خدا میں اپنے گناہوں کا نہ مجھلا بلکہ مفصلاً اقرار کرتا ہوں۔ میرے گناہ ہر وقت میرے روبرو ہیں۔ اس کے خیال اور اس کا دل اس رسول کے الفاظ کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے جس نے یوں کہا کہ اگر ہم کہیں کہ ہم بیگناہ ہیں تو ہم اپنے آپ کو فریب دیتے ہیں اور سچائی ہم میں نہیں ہے۔ اگر ہم اپنے گناہوں کا اقرار کریں تو وہ ان کو معاف کرنے اور ہم کو

ساری ناراستی سے پاک کرنے میں وفادار اور راست ہو پہلا پوچھا: ۹۔
یہ امر ضرور ہے کہ اس اقرار کی نسبت جو سچی توبہ کی نشانی ہے ہم صاف
اور درست خیال رکھیں۔

اول۔ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ اقرار ہمیشہ سارے گناہوں کا اور بے عذر ہونے کا اقرار
ہوا کرتا ہے۔ دوسرے طور پر یوں کہہ سکتے ہیں کہ انسان کا دل صاف کھول دیا
جاتا ہے ضمیر اس بوجھ سے جو گناہ کے سبب اس پر پڑتا ہے گناہ کا اقرار
کرنے سے آپ کو ہلکا کرنا چاہتی ہے اور خواہش کرتی ہے کہ گناہوں کی تلخی کے
دکھ کم ہو جائیں تب سارے عذر دور ہو جاتے ہیں اور ساری پوشیدگی و خفا
جاتی رہتی ہیں۔ خود راستی اور معصومی کا خاتمہ ہو جاتا ہے ضمیر کہتے ہیں کہ اگر
ایک گناہ بھی اراداً بلا اقرار رہ جائے تو باقی سب اقرار بے سود و بیفائدہ ہو جائیگا۔
ثانی۔ یہ اقرار خصوصاً چھوٹے چھوٹے اور خاص خاص گناہوں کی نسبت ہوا کرتا ہے
عام اور محمل اقرار سے اس دل کی جو گناہ کے بوجھ اور غم سے دبا ہو کچھ تسلی
نہیں ہوتی۔ جو بات پہلے چھوٹی سی معلوم ہوتی تھی اور جس کی نسبت خیال
ہوتا تھا کہ کچھ بڑی بات نہیں ہے اب یہاں معلوم ہوتی ہے اور دل میں دکھ
اور غم اور زبان میں اقرار پیدا کرتی ہے۔ جو گناہ پہلے ہلکے اور سچ دکھائی دیتے
تھے اب بڑی خطرناک صورت میں نظر آتے ہیں اور دل کو ڈراتے ہیں پس

انسان مجبور ہوتا ہے کہ اگر علانیہ نہیں تو خلوت میں ضرور اپنے خالق اور مالک
کے سامنے اپنے دل کو کھول کے اس کی بدی اور خرابی کا اقرار کرے۔
حضرت نجمیہ: ۵۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲۔ ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔ ۱۰۱۔ ۱۰۲۔ ۱۰۳۔ ۱۰۴۔ ۱۰۵۔ ۱۰۶۔ ۱۰۷۔ ۱۰۸۔ ۱۰۹۔ ۱۱۰۔ ۱۱۱۔ ۱۱۲۔ ۱۱۳۔ ۱۱۴۔ ۱۱۵۔ ۱۱۶۔ ۱۱۷۔ ۱۱۸۔ ۱۱۹۔ ۱۲۰۔ ۱۲۱۔ ۱۲۲۔ ۱۲۳۔ ۱۲۴۔ ۱۲۵۔ ۱۲۶۔ ۱۲۷۔ ۱۲۸۔ ۱۲۹۔ ۱۳۰۔ ۱۳۱۔ ۱۳۲۔ ۱۳۳۔ ۱۳۴۔ ۱۳۵۔ ۱۳۶۔ ۱۳۷۔ ۱۳۸۔ ۱۳۹۔ ۱۴۰۔ ۱۴۱۔ ۱۴۲۔ ۱۴۳۔ ۱۴۴۔ ۱۴۵۔ ۱۴۶۔ ۱۴۷۔ ۱۴۸۔ ۱۴۹۔ ۱۵۰۔ ۱۵۱۔ ۱۵۲۔ ۱۵۳۔ ۱۵۴۔ ۱۵۵۔ ۱۵۶۔ ۱۵۷۔ ۱۵۸۔ ۱۵۹۔ ۱۶۰۔ ۱۶۱۔ ۱۶۲۔ ۱۶۳۔ ۱۶۴۔ ۱۶۵۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ ۱۶۸۔ ۱۶۹۔ ۱۷۰۔ ۱۷۱۔ ۱۷۲۔ ۱۷۳۔ ۱۷۴۔ ۱۷۵۔ ۱۷۶۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸۔ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔ ۱۸۱۔ ۱۸۲۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴۔ ۱۸۵۔ ۱۸۶۔ ۱۸۷۔ ۱۸۸۔ ۱۸۹۔ ۱۹۰۔ ۱۹۱۔ ۱۹۲۔ ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ ۱۹۵۔ ۱۹۶۔ ۱۹۷۔ ۱۹۸۔ ۱۹۹۔ ۲۰۰۔ ۲۰۱۔ ۲۰۲۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔ ۲۰۵۔ ۲۰۶۔ ۲۰۷۔ ۲۰۸۔ ۲۰۹۔ ۲۱۰۔ ۲۱۱۔ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ ۲۱۴۔ ۲۱۵۔ ۲۱۶۔ ۲۱۷۔ ۲۱۸۔ ۲۱۹۔ ۲۲۰۔ ۲۲۱۔ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷۔ ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔ ۱۰۰۱۔ ۱۰۰۲۔ ۱۰۰۳۔ ۱۰۰۴۔ ۱۰۰۵۔ ۱۰۰۶۔ ۱۰۰۷۔ ۱۰۰۸۔ ۱۰۰۹۔ ۱۰۱۰۔ ۱۰۱۱۔ ۱۰۱۲۔ ۱۰۱۳۔ ۱۰۱۴۔ ۱۰۱۵۔ ۱۰۱۶۔ ۱۰۱۷۔ ۱۰۱۸۔ ۱۰۱۹۔ ۱۰۲۰۔ ۱۰۲۱۔ ۱۰۲۲۔ ۱۰۲۳۔ ۱۰۲۴۔ ۱۰۲۵۔ ۱۰۲۶۔ ۱۰۲۷۔ ۱۰۲۸۔ ۱۰۲۹۔ ۱۰۳۰۔ ۱۰۳۱۔ ۱۰۳۲۔ ۱۰۳۳۔ ۱۰۳۴۔ ۱۰۳۵۔ ۱۰۳۶۔ ۱۰۳۷۔ ۱۰۳۸۔ ۱۰۳۹۔ ۱۰۴۰۔ ۱۰۴۱۔ ۱۰۴۲۔ ۱۰۴۳۔ ۱۰۴۴۔ ۱۰۴۵۔ ۱۰۴۶۔ ۱۰۴۷۔ ۱۰۴۸۔ ۱۰۴۹۔ ۱۰۵۰۔ ۱۰۵۱۔ ۱۰۵۲۔ ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴۔ ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۶۔ ۱۰۵۷۔ ۱۰۵۸۔ ۱۰۵۹۔ ۱۰۶۰۔ ۱۰۶۱۔ ۱۰۶۲۔ ۱۰۶۳۔ ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۵۔ ۱۰۶۶۔ ۱۰۶۷۔ ۱۰۶۸۔ ۱۰۶۹۔ ۱۰۷۰۔ ۱۰۷۱۔ ۱۰۷۲۔ ۱۰۷۳۔ ۱۰۷۴۔ ۱۰۷۵۔ ۱۰۷۶۔ ۱۰۷۷۔ ۱۰۷۸۔ ۱۰۷۹۔ ۱۰۸۰۔ ۱۰۸۱۔ ۱۰۸۲۔ ۱۰۸۳۔ ۱۰۸۴۔ ۱۰۸۵۔ ۱۰۸۶۔ ۱۰۸۷۔ ۱۰۸۸۔ ۱۰۸۹۔ ۱۰۹۰۔ ۱۰۹۱۔ ۱۰۹۲۔ ۱۰۹۳۔ ۱۰۹۴۔ ۱۰۹۵۔ ۱۰۹۶۔ ۱۰۹۷۔ ۱۰۹۸۔ ۱۰۹۹۔ ۱۱۰۰۔ ۱۱۰۱۔ ۱۱۰۲۔ ۱۱۰۳۔ ۱۱۰۴۔ ۱۱۰۵۔ ۱۱۰۶۔ ۱۱۰۷۔ ۱۱۰۸۔ ۱۱۰۹۔ ۱۱۱۰۔ ۱۱۱۱۔ ۱۱۱۲۔ ۱۱۱۳۔ ۱۱۱۴۔ ۱۱۱۵۔ ۱۱۱۶۔ ۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸۔ ۱۱۱۹۔ ۱۱۲۰۔ ۱۱۲۱۔ ۱۱۲۲۔ ۱۱۲۳۔ ۱۱۲۴۔ ۱۱۲۵۔ ۱۱۲۶۔ ۱۱۲۷۔ ۱۱۲۸۔ ۱۱۲۹۔ ۱۱۳۰۔ ۱۱۳۱۔ ۱۱۳۲۔ ۱۱۳۳۔ ۱۱۳۴۔ ۱۱۳۵۔ ۱۱۳۶۔ ۱۱۳۷۔ ۱۱۳۸۔ ۱۱۳۹۔ ۱۱۴۰۔ ۱۱۴۱۔ ۱۱۴۲۔ ۱۱۴۳۔ ۱۱۴۴۔ ۱۱۴۵۔ ۱۱۴۶۔ ۱۱۴۷۔ ۱۱۴۸۔ ۱۱۴۹۔ ۱۱۵۰۔ ۱۱۵۱۔ ۱۱۵۲۔ ۱۱۵۳۔ ۱۱۵۴۔ ۱۱۵۵۔ ۱۱۵۶۔ ۱۱۵۷۔ ۱۱۵۸۔ ۱۱۵۹۔ ۱۱۶۰۔ ۱۱۶۱۔ ۱۱۶۲۔ ۱۱۶۳۔ ۱۱۶۴۔ ۱۱۶۵۔ ۱۱۶۶۔ ۱۱۶۷۔ ۱۱۶۸۔ ۱۱۶۹۔ ۱۱۷۰۔ ۱۱۷۱۔ ۱۱۷۲۔ ۱۱۷۳۔ ۱۱۷۴۔ ۱۱۷۵۔ ۱۱۷۶۔ ۱۱۷۷۔ ۱۱۷۸۔ ۱۱۷۹۔ ۱۱۸۰۔ ۱۱۸۱۔ ۱۱۸۲۔ ۱۱۸۳۔ ۱۱۸۴۔ ۱۱۸۵۔ ۱۱۸۶۔ ۱۱۸۷۔ ۱۱۸۸۔ ۱۱۸۹۔ ۱۱۹۰۔ ۱۱۹۱۔ ۱۱۹۲۔ ۱۱۹۳۔ ۱۱۹۴۔ ۱۱۹۵۔ ۱۱۹۶۔ ۱۱۹۷۔ ۱۱۹۸۔ ۱۱۹۹۔ ۱۲۰۰۔ ۱۲۰۱۔ ۱۲۰۲۔ ۱۲۰۳۔ ۱۲۰۴۔ ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶۔ ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸۔ ۱۲۰۹۔ ۱۲۱۰۔ ۱۲۱۱۔ ۱۲۱۲۔ ۱۲۱۳۔ ۱۲۱۴۔ ۱۲۱۵۔ ۱۲۱۶۔ ۱۲۱۷۔ ۱۲۱۸۔ ۱۲۱۹۔ ۱۲۲۰۔ ۱۲۲۱۔ ۱۲۲۲۔ ۱۲۲۳۔ ۱۲۲۴۔ ۱۲۲۵۔ ۱۲۲۶۔ ۱۲۲۷۔ ۱۲۲۸۔ ۱۲۲۹۔ ۱۲۳۰۔ ۱۲۳۱۔ ۱۲۳۲۔ ۱۲۳۳۔ ۱۲۳۴۔ ۱۲۳۵۔ ۱۲۳۶۔ ۱۲۳۷۔ ۱۲۳۸۔ ۱۲۳۹۔ ۱۲۴۰۔ ۱۲۴۱۔ ۱۲۴۲۔ ۱۲۴۳۔ ۱۲۴۴۔ ۱۲۴۵۔ ۱۲۴۶۔ ۱۲۴۷۔ ۱۲۴۸۔ ۱۲۴۹۔ ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۱۔ ۱۲۵۲۔ ۱۲۵۳۔ ۱۲۵۴۔ ۱۲۵۵۔ ۱۲۵۶۔ ۱۲۵۷۔ ۱۲۵۸۔ ۱۲۵۹۔ ۱۲۶۰۔ ۱۲۶۱۔ ۱۲۶۲۔ ۱۲۶۳۔ ۱۲۶۴۔ ۱۲۶۵۔ ۱۲۶۶۔ ۱۲۶۷۔ ۱۲۶۸۔ ۱۲۶۹۔ ۱۲۷۰۔ ۱۲۷۱۔ ۱۲۷۲۔ ۱۲۷۳۔ ۱۲۷۴۔ ۱۲۷۵۔ ۱۲۷۶۔ ۱۲۷۷۔ ۱۲۷۸۔ ۱۲۷۹۔ ۱۲۸۰۔ ۱۲۸۱۔ ۱۲۸۲۔ ۱۲۸۳۔ ۱۲۸۴۔ ۱۲۸۵۔ ۱۲۸۶۔ ۱۲۸۷۔ ۱۲۸۸۔ ۱۲۸۹۔ ۱۲۹۰۔ ۱۲۹۱۔ ۱۲۹۲۔ ۱۲۹۳۔ ۱۲۹۴۔ ۱۲۹۵۔ ۱۲۹۶۔ ۱۲۹۷۔ ۱۲۹۸۔ ۱۲۹۹۔ ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۱۔ ۱۳۰۲۔ ۱۳۰۳۔ ۱۳۰۴۔ ۱۳۰۵۔ ۱۳۰۶۔ ۱۳۰۷۔ ۱۳۰۸۔ ۱۳۰۹۔ ۱۳۱۰۔ ۱۳۱۱۔ ۱۳۱۲۔ ۱۳۱۳۔ ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵۔ ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۷۔ ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹۔ ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱۔ ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۳۔ ۱۳۲۴۔ ۱۳۲۵۔ ۱۳۲۶۔ ۱۳۲۷۔ ۱۳۲۸۔ ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۲۔ ۱۳۳۳۔ ۱۳۳۴۔ ۱۳۳۵۔ ۱۳۳۶۔ ۱۳۳۷۔ ۱۳۳۸۔ ۱۳۳۹۔ ۱۳۴۰۔ ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۲۔ ۱۳۴۳۔ ۱۳۴۴۔ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶۔ ۱۳۴۷۔ ۱۳۴۸۔ ۱۳۴۹۔ ۱۳۵۰۔ ۱۳۵۱۔ ۱۳۵۲۔ ۱۳۵۳۔ ۱۳۵۴۔ ۱۳۵۵۔ ۱۳۵۶۔ ۱۳۵۷۔ ۱۳۵۸۔ ۱۳۵۹۔ ۱۳۶۰۔ ۱۳۶۱۔ ۱۳۶۲۔ ۱۳۶۳۔ ۱۳۶۴۔ ۱۳۶۵۔ ۱۳۶۶۔ ۱۳۶۷۔ ۱۳۶۸۔ ۱۳۶۹۔ ۱۳۷۰۔ ۱۳۷۱۔ ۱۳۷۲۔ ۱۳۷۳۔ ۱۳۷۴۔

سب سے بڑھ کر غائبانہ اور نہایت ہی بدھری سیماہ ۹: ۱۷ *
 رابعاً۔ اس قسم کے اقرار نہ صرف اس لئے ضروری ہیں کہ ہم نے خدائے عظیم الشان و
 پر جلال کی عظمت اور بزرگی کے خلاف گناہ کیا ہے بلکہ اس لئے بھی کہ ہمارے
 اپنے آپ کو گنہگار اور واجب سزا مان لینے سے خدا تعالیٰ کی عظمت اور
 جلال کی عزت ہوتی ہے چنانچہ مرقوم ہے کہ حضرت یسوعہ نے عکس کو
 یوں کہا کہ۔ اے میرے فرزند خداوند اسرائیل کے خدا کی بزرگی کرا اور اس کے
 آگے اقرار کر یسوعہ ۹: ۱۷ جب گناہوں کا اقرار اس وقت ضروری تھا
 جبکہ معافی کا وعدہ نہ تھا تو کتنا زیادہ ضروری فی زمانہ ہونا چاہئے وہاں کہ
 ہم سے نہ صرف گناہوں کی معافی کا وعدہ ہے بلکہ ہم کو امید اور
 راہ بھی بتائی گئی ہے۔ اگر گناہوں کا اقرار کر لینا اس سبب سے ضروری تھا
 کہ ہم نے اپنی بدی سے خدا کے عدل کو اپنے چہرے پر لگجھتے کر لیا ہے تو کتنا زیادہ
 ضروری اس حالت میں ہونا چاہئے جبکہ ہمارے بے شمار گناہوں کی معافی
 کا وعدہ ہم سے ہوا ہے اور بجائے اس کے کہ ہم پر غضب الہی نازل ہو ہم سے
 صبر اور برداشت کی جاتی ہے پس چاہئے کہ ہم اس حالت کو جو ہمارے واسطے
 زیبا ہے اپنے اوپر لے لیں اور اپنی حالت کے مطابق بولی بولیں یعنی وہ بات
 منہ سے نکالیں جو ہماری حالت کے موزون ہے۔ تاکہ ہم اس سے جس کے

خلاف ہم نے بغاوت۔ ناشکری اور بیوفائی کی ہے فضل اور رحمت کی
 امید رکھ سکیں۔ اگر یہ خیالات دل میں تبیں تو ہماری زبان کی باتیں کچھ
 اور ہی ہو جائیں گی۔ تب ہم خدا کے فضل کے تحت کے سامنے جو ہمیشہ رحم
 میں خوش ہوتا ہے امیکہ ۷: ۱۸ کتنے عجز اور انکسار کے ساتھ اٹھائیں گے اور اقرار
 کریں گے کہ اے خداوند صداقت تیری ہے اور ذرہ رُوئی ہمارا دی۔
 دانیل ۹: ۷ *

پنجم۔ ان سب کا نتیجہ ہماری عادات و اطوار کی بالکل اور پوری تبدیلی ہوا کرتی ہے مراد
 یہ ہے کہ گنہگار بدی سے بالکل پھر کے ارادہ مصمم و عزم جزم کر لیتا ہے کہ خدا کی
 طرف رجوع کرے۔ یہ حالت گناہ کی عین ضد ہوا کرتی ہے کیونکہ فی الحقیقت گناہ
 رنج کا خدا سی بھیجنا ہے۔ ویسے ہی جس تبدیلی کا ہم اب ذکر کرتے
 ہیں یہ رنج کا خدا کی طرف بھیجنا ہے۔ یہی سچی توبہ ہے۔ جیسا کہ گناہ گویا
 اپنے اصلی اور حقیقی معبود کی اطاعت اور حضوری سے پھرنا ہے ویسا ہی توبہ
 اس کی طرف پھرنا اور اس کی رضا و خوشنودی حاصل کرنا ہے۔ خدا کا کلام کہتا ہے
 کہ وہ جو شریر ہے اپنے ارادہ کو ترک کرے اور بد کردار اپنے خیالوں کو اور خدا
 کی طرف پھرنے کے وہ اس پر رحم کریگا اور ہمارے خدا کی طرف کہ وہ کثرت
 سے معاف کریگا۔ یسعیاہ ۵۵: ۷۔ ہمارے خداوند اور نجات دہندہ نے

حضرت پولوس کو یوں فرمایا کہ میں تجھے بھیجتا ہوں کہ تو انکی آنکھیں کھول دے تاکہ وہ اندھیرے سے اُجائے اور شیطان کے خستیار سے خدا کی طرف پھریں اور گناہوں کی معافی اور مقدسوں کی میراث حاصل کریں۔ اعمال ۲۶: ۱۸۔ اور حضرت پولوس نے بھی اپنی رسالت کے مدعا اور مقصد کو اگر تہ بادشاہ کے حضور یوں فرمایا کہ میں نے جتنا دیا کہ وہ توبہ کریں اور خدا کی طرف پھریں اور توبہ کے موافق عمل کریں۔ اعمال ۲۶: ۲۰۔ غرض کہ توبہ اور خدا کی طرف پھرنے لازمی امر ہوا کرتے ہیں اور ویسے ہی گناہ اور خدا سے پھرنے بھی ہیں جو شخص گناہ کرتا ہے خدا سے جدا رہتا ہے اور رہنا پسند کرتا ہے پر وہ شخص جو توبہ کرتا ہے خدا کی خوشنودی اور حضوری ڈھونڈھتا ہے۔

اگر کسی دل میں گناہوں کا حقیقی غم ہو تو وہ غم اُس میں گناہوں کی طرف سے نفرت پیدا کر دیتا ہے۔ اور اگر گناہ سے سچی نفرت ہو تو دل پورا ارادہ گناہ سے بھاگنے اور ڈرنے کا کر لیتا ہے ایسے دل میں ارادہ ہوتا ہے کہ جو بدی اُس آدمی نے نبی نوع انسان کے ساتھ کی ہے جہاں تک ممکن ہو سکے اُس کی تلافی کر دے۔ مثلاً اگر کسی دولت یا عزت یا چلن یا کسی اور چیز کا نقصان کیا ہو تو دل میں یہ خواہش پیدا ہو جاتی ہے کہ خواہ

کچھ سی کیوں نہ ہو اور خواہ کیسا ہی نقصان اور دکھ برداشت کرنا نہ پڑے جہاں تک ممکن ہے ایسے نقصان کی تلافی ضرور کر دے۔ اور جو گناہ خدا کے قدموں کے خلاف اپنے خیال اور قول اور فعل سے کئے ہوں انکی نسبت تائب گنہگار اور کرتا ہے کہ کوئی تلافی کرنا اسکے امکان میں نہیں ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ قرض بشمار اور بوجھ بڑا بھاری ہے اور پھر یہ کہ ادا کرنے کو اُس کے پاس ایک خر تیرہ بھی نہیں اور بوجھ اٹھانے کی یا اُس کو پھینک دینے کی نہ طاقت ہے نہ جرات۔ اس حالت میں وہ جو کو بے وسیلہ پاتا ہے جب تک کہ امید کی روشنی اُس کے دل پر نہ چکے اور اُسے اُس کفارے کی نسبت جو گنہگاروں کی ضمانت اور شفاعت میں ہوا خبر نہ دے۔ تب وہ بڑی حیرانی سے دیکھتا ہے کہ بے گناہ نے گنہگاروں کے واسطے دکھ اٹھایا اور رہنمائی کے لئے پہلا پطرس ۳: ۱۸۔ تب حیران ہو کر بجائے اسکے کہ گناہوں میں زیادہ مصروف ہو وہ تقدیس میں قائم ہونے کی نہایت تاثیر کرنے والے خیالات سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ تب مسیح کی محبت اُس کے دل کو کھینچتی ہے۔ اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اُسی کا تابع ہو جاتا ہے اور مسیح کی محبت اُسے مجبور کرتی ہے کہ آگے کو اپنے لئے نہ جھپے اور بدی پر بدی جمع نہ کرے۔ بلکہ اُسکی زندگی اور موت اُسی کی واسطے ہو جو اسکے گناہوں کی واسطے مبرا اور چھری بھی اٹھا۔ گناہ سے آزاد اور خدا کا غلام ہو کے وہ پاکیزگی کا پھل لاتا ہے جس کا

انجام ہمیشہ کی زندگی ہو۔ - رومیوں ۶: ۲۲ +

اب تک جس مضمون پر ہماری توجہ رہی ہے اس میں ہم نے خصوصاً خیالات اور بیانات کا ذکر کیا ہے۔ اور ایک صورت سے اس فصل کا خاتمہ یہاں پر ہو گیا ہے۔ پر ہم مناسب نہیں سمجھتے کہ یہاں ان توبہ انگیز تاثیرات کو جو خداوند یسوع مسیح کی انجیل سے نکلتی ہیں بے ذکر چھوڑ دیں۔ ان کا مفصل بیان تو آئندہ کی فصلوں میں ہوگا۔ ہم یہاں مختصر ایک دوامروں کا تذکرہ کرتے ہیں +

اولا۔ بڑا خوف ہے کہ لوگ جھوٹی توبہ اور سچی توبہ میں تمیز نہیں کرتے۔ بلکہ بسا اوقات جھوٹی کو سچی سمجھ لیتے ہیں۔ اکثر یہ سنا جاتا ہے کہ وہ توبہ کوتاہ اور گناہ کوتاہا جاتا ہے۔ پر اسکی توبہ حقیقی توبہ نہیں ہوتی۔ سچی توبہ سے ایسا شخص اب تک محض ناواقف ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ دل سے سچی توبہ کرتا تو گناہ سے اسے نفرت ہو جاتی۔ اور سخت ارادہ کر کے وہ اسے چھوڑ دیتا۔ چاہئے کہ یہ بات دل پر نقش ہو جائے کہ وہ شخص توبہ سے ناواقف ہوتا ہے جو اسکے علامات ضروری کو یعنی خدا کی طرف رجوع کرنا جو ظاہر نہیں کرتا۔ سچا تائب وہ شخص ہوتا ہے جو گناہوں کو چھوڑنے کا مصمم ارادہ کرے اور دل اور چلن کی تبدیلی چاہے۔ ورنہ یوں تو کسی دنیاوی دکھ اور غم سے بھی اکثر توبہ کی ایک شکل دل میں پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر یہ چند دن بعد ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اور دل آگے سے زیادہ ہلاکت کے لائق بن جاتا ہے +

ثانی۔ چاہئے کہ ہم خود اپنے واسطے اس بات کا فیصلہ کریں کہ کیونکہ جیسا ہم اپنا آپ فیصلہ کر سکتے ہیں ویسا اور کوئی بشر نہیں کر سکتا کہ آیا ہم نے وہ توبہ کی ہے کہ نہیں جس سے کہ آخر کو چھپانا نہ ہو۔ چاہئے کہ ہم تنہا ہو کے اپنے دل پر نظر کریں اور اس طرح دیکھیں جیسے کہ وہ الہی نظر کے سامنے ہے جسکے آگے سب کے دل کا حال کھلا ہے۔ اور جس سے کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے چاہئے کہ ہم اپنی خواہشوں کے میدان اپنے چلن کی روش اور اپنے خیالات کی رغبت کو غور سے دیکھیں اور جان لیں کہ زندگی کے ہر ایک لمحہ میں ہم سے کون کون سے قلع گناہ سرزد ہوئے۔ چاہئے کہ انکی یاد ہم کو بری معلوم ہو اور ہمارے دل میں خالص طور پر گناہوں سے قائل ہونے عاجز اور تائب طور پر انکا انکار کرنے اور سچے دل سے خدا کی طرف رجوع کرنے کا ارادہ پیدا ہو۔ اور باقی زندگی میں اپنے دلوں کو اور کاموں کو آزماتے رہیں۔ خدا کی پاک شریعت ایک اعلیٰ کسوٹی ہے جس پر ہم اپنا آپ دیکھا کریں اور ہمیشہ یہ کہہ کریں کہ اے خداوند مجھ گنہگار پر رحم کر۔ ضرور ہے کہ مسیح یسوع کی صلیب کی تاثیرات کو ہم اپنے میں اثر کرنے دیں اور روح پاک کی تاثیرات اور ضرورت کو نہ بھولیں۔ اور ان کی اسناد عا کریں۔ اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں کہ اے خداوند **یہووا** تو ہم کو نیا دل دے اور ہمارا مزاج بدل ڈال کہ تو ہم سے پتھر کا دل نکال اور ملائم دل دے۔

حرقی ایل ۳۶: ۳۶+

ثالثاً۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ہم سچیوں کو بھی جنہوں نے نجات ابدی کا وعدہ حاصل کیا ہے ایک قسم کی توبہ روزمرہ زندگی میں کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک صورت سے تو سچ ہے جیسا کہ خود ہمارے نجات دہندہ نے فرمایا کہ وہ لوگ جو بے گناہ اور استباز میں توبہ کی ضرورت نہیں رکھتے۔ پر دنیا بھر میں بے گناہ اور کامل طور پر استباز کو نسا شخص ہے۔ اور اگر کوئی ایسا شخص کہیں ہو تو یقیناً اُس کو توبہ کی ضرورت نہیں ہے۔ پر ایک اور قسم کے لوگ ہیں جو بے گناہ اور استباز تو نہیں پر بے گناہ اور استباز کئی گئے ہیں۔ جنہوں نے توبہ اور خداوند سیوع پر ایمان لائیکے وسیلہ موت کی حالت سے نکلنے کی زندگی کا دم حاصل کیا ہے اور جن کو اب پھر سے بدل جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ پر کیا ایسے لوگ بھی اپنی زندگی بھر وقتاً فوقتاً خطاؤں اور لغزشوں میں گرفتار نہیں ہوا کرتے۔ کیا کبھی کبھی اُس سخت لڑائی میں جو ان کے سامنے آ پڑتی ہے وہ ہار نہیں جاتے۔ کیا درست نہیں ہے کہ بہت دفعہ اُن سے وہ نہیں ہوتا جو کرنا اُن کو لازم تھا اور وہی ہوتا ہے جو ان کو کرنا لازم نہ تھا۔ کیا وہ اکثر وہی بدی نہیں کر بیٹھتے جو نہیں کرنا چاہتے اور وہ نیکی جو کرنا چاہتے ہیں نہیں کرتے۔ یہ لوگ گو خدا کے پیار کر نیا لے اور اُس کے چہرہ کی تجلی میں زندگی بسر کر نیا لے ہیں

پھر بھی بشر اور آدم کی اولاد میں۔ پس ایسے لوگ اپنے میں خود عاجز اور تائب ہونے کی ضرورت پایا کرتے ہیں جب تک کہ کمال آئے اور ناقص کا زوال ہو۔ ان کو سر نو پیدا ہونے کی تو ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ الہی رُوح کی تاثیر سے وہ سر نو پیدا ہوئے ہوئے ہیں۔ پر ہمیشہ ہمیشہ قدوسیت اور روحانیت میں ترقی کرنے کی ضرورت تو ہوتی ہے۔ پس اپنی کمزوری اور خطاؤں پر وہ اکثر نادم ہوا کرتے ہیں۔ اپنی یکس حالت پر اکثر عجز اور افسوس کیا کرتے ہیں اور اپنی لغزشوں کا اقرار کر کے اللہ تعالیٰ سے مدد کی درخواست کیا کرتے ہیں۔ اور یہ ان کی روزمرہ کی توبہ ہوتی ہے۔ وہ آدمی کہاں ہے جو نیکی کو تا اور بدی نہیں کوتاہی۔ پہلا سلاطین ۸: ۲۶۔ نہ صرف ہمارے گناہوں کی واسطے توبہ کی ضرورت ہوتی ہے بلکہ بدی ہر ایک کی واسطے خواہ وہ کسی شکل میں ہو مثلاً کمزوری، خطا، غفلت، غرور وغیرہ۔ ضرور ہے ان میں سے ہر ایک الہی فرزندوں کے دلوں میں غم برانگیختہ کرنے کا موقع پیدا کر دیں۔ اور ہم لوگ جو سچی ہیں عاجز اور لاچار ہو کے اُس چشمہ کی طرف روز روز جابجا کریں جو گناہ اور ناپاکی دور کرنے کے لئے کھولا گیا ہے۔ کیونکہ اگر ہم کہیں کہ ہم بگناہ میں تو ہم اپنے آپ کو فریب دیتے ہیں اور سچائی ہم میں نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص گناہ کرے تو اُسے معلوم ہو کہ باپ کے پاس ہمارا ایک کوئل (شعیب) ہے

ہو یعنی یسوع مسیح جو راستباز ہے۔ پہلا یوحنا: ۸-۱۲: پس ضرور ہے کہ ہم ہمیشہ
انکھیں خداوند یسوع مسیح کی صلیب کی طرف لگائیں۔ ہم اپنی ناشکر گزاری
کیواسطے تو سنجیدہ ہوں پر اپنے منجی میں خوش رہیں۔ اور دل کی خوشنودی کے
ساتھ اس دنیا کی طرف دیکھیں جس میں ساری بدی دور ہوگی اور جہاں کوئی
ناپاکی نظر نہ آئیگی۔ جہاں ہم کو کسی بدی یا گناہ کے ساتھ مقابلہ کرنیکی ضرورت
نہ ہوگی۔ بلکہ جہاں قد و سنیت۔ صداقت اور برکت ہیں۔ مبارک ہے
وہ شخص جو الہی مقررہ راہ پر ہو کے وہاں پہنچے۔ اگر کوئی شخص اس راہ پر قدم
مارنا چاہے تو اسے معلوم ہو جائے کہ توبہ پہلا مرحلہ ہے اور اگر اس کو طرہ
کے تو کبھی منزل مقصود تک نہ پہنچے گا۔

فصل دوم

توبہ کی علت غائی کی بیان میں

لاکلام توبہ کی ماسیت کی نسبت درست اور کلام الہی کے موافق خیالات
دل میں رکھنے نہایت ضرور ہیں پر صرف خیالات کی درستی ہی کافی نہیں صرف یہی

جاننا کافی نہیں کہ توبہ کے حقیقی معنی کیا ہیں اور وہ کن کن چیزوں سے مشتمل ہوتی ہے
بلکہ یہ بھی کہ ہم فی الحقیقت اپنی نسبت وہ توبہ استعمال کریں جو بقول ملہم رسول پولوس جانت
کا وسیلہ ہے اور جس سے چھٹانا نہیں ہوتا۔ دوسرا قریبیوں: ۱۰: ۱۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مقدس
حواریوں نے جہاں کہیں نجات کی خوشخبری دی اُسکے ساتھ ہی بالضرور انہی سامعین کو
توبہ کی ضرورت بھی بتائی۔ اور اس ضرورت کو بڑی قوی اور قاطع دلائل سے اُن کے دلوں
پر نقش کیا۔ پس اُنکی شہادت کے کلام اور اُنکے اعمال کی نوشت کو اپنی ہدایت کیواسطے
سامنے رکھ کے اور رُوح القدس کی تائید کی استدعا کر کے جس سے اُنکو ایسی وسیع
کامیابی حاصل ہوئی مناسب ہے کہ ہم توبہ کی علت غائی پر سوچیں۔

اول۔ یاد رکھنا چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ جو ہمارا مالک اور حاکم ہے حکم دیتا ہے کہ
ہم توبہ کریں۔ اور توبہ کرنے کی سب سے پہلی علت غائی یہی ہے کہ اللہ فرماتا ہے اُسکے توبہ
کرنی ضرور ہے۔ چنانچہ ہر قوم ہے کہ خدا سب لوگوں سے رباروئے ورعایت رنگ قوم
جو اس تختہ دنیا پر ہیں بلا عذرے و حیلے چاہتا ہے اور حکم کرتا ہے کہ توبہ کریں۔ اعمال: ۱۷: ۳۰
یہ حکم نہایت مناسب اور عمدہ ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ ہم سب گنہگار ہیں باغی اور گم گشتہ لوگ
ہیں جنہوں نے خدا کو اپنے دلوں اور جانوں پر سلطنت کرنے سے نکال دیا ہے۔ اور جو اپنی
بدی اور بدکرداری سے خدا کے دشمن ہو گئے ہیں۔ ہم اپنی سستی کے خالق کی طرف
جو ہمارا بادشاہ اور ہمارا حاکم ہے بہت کم راغب ہوئے ہیں۔ ہم اُسکی اطاعت میں جو ہمارا

حقیقی حاکم سر اور اسکی محبت میں جو لامحدود خوبیوں اور بزرگیوں کا چشمہ نہایت قاصر ہوئے ہیں۔ اور کیسی مہربانی اور محبت سے وہ ہم کو حکم دیتا ہے کہ اپنی اس کم نواچی اس تک حرامی اور اس دشمنی کو چھوڑ دیں اور اُن سے توبہ کریں۔ وہ چاہتا ہے کہ ہمارے دل اور خیال بالکل بدل جائیں اور کہ ہماری خواہشیں اور ارادے تبدیل ہو جائیں یہ اُس کا حق اور اُسکا دعویٰ ہے اور وہ اپنے حق کو چھوڑ نہیں سکتا نہ اپنے اس دعویٰ کو ترک کر سکتا ہے۔ اگر ہم اُسکی آواز نہ سنیں۔ یا اُسکے ایک لمحہ کی بھی دیر کریں تو ہمارا ہی نقصان ہے +

پھر دیکھنا چاہئے کہ توبہ کرنے کا حکم دینے میں کیسی پدرانہ اور مہربانہ شفقت کا اظہار ہے۔ اُس خدا کے حضور سے جو محبت ہے کہ بھی یہ حکم نہیں نکلا کہ باغی فرشتے توبہ کریں پر ہماری ساری بدیوں سے گویا طرح دیکے ہمارا خدا کیسی پیاری آواز سے فرماتا ہے۔ اسی گنگار توبہ کو۔ اور نہ صرف یہ بلکہ انتظام الہی سے اُس نے ہمارے واسطے

حاشیہ * کہتے ہیں کہ بغاوت ۱۵ء میں جب ہر ایک شخص انگریزوں کی سلطنت کے خلاف

ٹھا اور ہزار ہا ہزار جانیں تلف ہو چکی تھیں تو ہماری مہربان مادر امیر پرس و کٹوریانے کالوں کی جان پر رحم کھا کے معافی کا اشتہار دیدیا۔ اور کہا کہ گو تم لوگوں نے وہ نہیں کیا جو تم کو کرنا لازم تھا بلکہ انگریزوں کی سلطنت کے خلاف خود کو ماردہ کیا اور ہزار ہا بیس عورتوں اور بچوں کا خون کیا پر ہم اب تمہاری ساری

ایک نجات دہندہ بھی تھا کیا ہے جس کا نام یسوع خداوند ہے۔ پس اسی گنگار اس دلیری بخش اور دانائی اور محبت کے بھرے ہوئے حکم کو ماننے میں تامل مت کر۔ اب آسمانی فضل کے تحت کے حضور جا اور اپنے دل و زبان سے کہو اے خدا تو ساری موجودات میں اعلیٰ اور برتر ہے اور تیرا سب سے زور آور دعویٰ ہے کہ میرے دل اور میری جان پر حکومت کرے۔ میں اقرار کرتا ہوں میں افسوس کرتا ہوں کہ تجھ سے میں اتنے دن بُری طرح گزشتہ رہا اور تیری بغاوت کی۔ میں اپنے دل کی بد حالی پر تاسف کرتا ہوں۔ نہایت فکر مندی اور شوق کے ساتھ میں اب تیری طرف لوٹنا چاہتا ہوں۔ اُس یسوع مسیح کے وسیلے جو تیرا مقرر کیا ہوا اکیلا اور مبارک درمیانی ہے اور جو تیری لایبان محبت کا انعام ہے میں نہایت فروتنی اور عاجز سے تیری حکومت اور سلطنت کو قبول کرتا ہوں جس کے خلاف میں نے شدت سے بغاوت

بقیہ حاشیہ بغاوت کو اپنے دل سے نکالنے تکوین حکم دیتے ہیں کہ تم اب ہمارے خلاف مت ہو

بلکہ ہماری حکومت کو قبول کرو اور ہم تک و بیہ خبر دیتے ہیں کہ اگر تم ایسا کرو تو ہم تمہاری ساری بدی کو معاف کرتے ہیں۔ اس فہم شناسی کی محبت اور مہربانی سے ہزار ہا ہزار لوگ اپنے دلوں میں چھپ گئے اور پھر سے فرمانبردار ہو گئے آہی فہم شناس جو توبہ کا ہے ایسا ہے +

ایم حنیف

کی۔ خاک اور راکھ میں مچھلنے کے تیرے فضل کی بخشش کی التجا کرتا ہوں۔ اپنی جان اور روح اور بدن کو اب تیرے تحت کرتا ہوں۔ اب اے خداوند میں اپنی مرضی نہیں چاہتا بلکہ تیری رضا مندی کا طالب ہوں جو ہزار زندگی سے بہتر ہے اب میں تیرے حکم کو ماننا اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں +

دوم۔ روزِ عدالت اُن سب کی واسطے جو بے توبہ زندگی بسر کرتے اور مر جاتے ہیں بُری ہلاکت اور سزا کا دن ہوگا۔ اسلئے بھی ضرور ہے کہ ہم توبہ کریں۔ ایک تو اللہ تعالیٰ کا حکم اور دوسرے یہ کہ اُسے ایک دن مقرر کیا ہے جس میں وہ لوگوں کی عدالت رستی سے کرے گا۔ اعمال ۱: ۳۱۔ کیا یہ بُری بھاری دلیل نہیں ہے کہ جتنے جی ہاں اسی وقت گنہگار کو توبہ کرنی چاہئے۔ اگر شخص جس کا دل عجز اور فریفتگی سے ناواقف ہے کیا تو خیال کر سکتا ہے کہ تُو خدا کی عدالت سے بچ نکلیگا۔ کیا تو خیال کرتا ہے کہ اُسکے فضل کی کثرت اور اُسکے عمل کی حقارت کر کے اور اپنی بے توبہ دل کی سختی کے سبب اُس دن کے لئے جس میں خدا کی عدالت حق ظاہر ہوگی تو اپنے واسطے خدا کا غضب نہیں جمع کر رہا۔ و صیان کر کے اُس دن تیرا انصاف کرنا کیونکر آسکے گا یوں فرماتا ہے اگر تم توبہ نہ کرو تو ہلاک ہو گے۔ لوقا ۳: ۲۔ مناسب ہے کہ اُسکی زبان کا یہ کلام جو گنہگاروں کے بچانے کو آیا اور جو پھر آخری دن میں انصاف کرنے کو آئیگا انسان کے دل میں نقش کا حجر ہو جائے اور عالمگیر فروتنی اور عجز اور توبہ پیدا کرے۔

پھر بھی کچھ جبر نہیں ہے۔ انسان فعل مختار ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ امر اُسکی مرضی پر چھوڑ دیا ہے کہ چاہے قبول کرے اور چاہے نہ کرے خواہ تو یہ صداقت کا کلام قبول کرے یا اپنے دل کی تسلی ایسے ایسے واسطی خیالوں سے کر لے کہ گناہوں کے بالمقابل بہت سی نیکیاں بھی ہیں اور کوئی خطرہ نہیں۔ اور کہ ہم ہرگز اس فتویٰ کو نہ سنیں گے کہ میوے سامھنی سے ہمیشہ کی عذاب میں چلے جاؤ متی ۲۵: ۱۶۔ پر میرے جو اتمامِ حروف ہوں نصیحت کو جو میں کلام ربانی کے موافق دیتا ہوں مانو تو یہ کام کرو کہ ہوشیار ہو جاؤ مبادا کہ تم اپنے دل کے فریب میں آ جاؤ جو تم کو ہلاکت میں لیجا تا ہے اور تمہاری بیش قیمت روح کو برباد کرے گا۔ جب خود ابن اللہ کہتا ہے کہ تم کو توبہ کی اشد ضرورت ہے اور کہ تم اگر توبہ نہ کرو تو ہلاک ہو گے تو اپنی اُمید ایسے لغویات پر نہ رکھنا کہ گویا اُسکے کلام میں صداقت نہیں ہے۔ خود اپنی عقل ہی سے کام لو۔ کیا تم کو یقین آسکتا ہے کہ اگر تم اپنے گناہوں سے قطعی دست بردار نہ ہو جاؤ تو تم نجات کی ابدی اور روحانی خوشیوں کے لائق بن سکتے ہو۔ یا اگر بالفرض تم کو نجات اور اُسکی خوشیوں میں مل بھی گئیں تو کیا تم کو انکا مزہ آسکتا ہے جب دل میں الہی ذات و صفات کی طرف سے مخالفت ہو تو بہشت جیسے پاک مقام میں پہنچنا محال ہے جب اس دُنیا میں دُلیں اللہ کی طرف بغاوت اور ناشکری ہو تو اُن لوگوں کی مجلس میں کیا خاک خوشی حاصل ہو سکتی ہے جو الہی محبت دل میں لئے اور دن رات الہی حمد و ستائش میں مصروف رہتے اور کہتے ہیں کہ توبہ جو بھج ہوا لا حق ہے۔ مکاشفات

۵: ۱۲- اب ہوش میں آ اور قدیم زمانہ کے اُس اسرائیلی بزرگ کی بات پر کان لگا جس نے ایک وقت یوں کہا: "نہ ہو کہ تمہارے درمیان کوئی مرد یا عورت یا گھرانہ یا فرقہ ایسا ہو کہ اُسکا دل آج خداوند ہمارے خدا سے گشتہ ہو۔ نہ ہو کہ تمہارے درمیان ایسی جڑ ہو جو ہر کی کرواہٹ کا سا پھل دے۔ اور ایسا نہ ہو کہ جب وہ اس لغت کی باتیں سنے تو اپنے دل میں آپ کو مبارکٹ جانے اور کہے کہ میں چین کروں گا اگرچہ اپنے دل کی سرکشی میں چلوں۔۔۔ خداوند اُسے نہ چھوڑے گا بلکہ اُسی وقت اُس شخص پر خداوند کے قہر اور غیرت کا دھواں اٹھے گا اور ساری نعمتیں جو اس کتاب میں لکھی ہوئی ہیں اُس پر پڑیں گی اور خداوند اُس کے نام کو آسمان کے نیچے سے مٹا دیگا۔ استثنائاً ۲۹: ۱۸-۲۰۔"

سوم۔ خدا کا فضل اور رحم جو ہمارے خداوند اور نجات دہندہ یسوع مسیح میں ظاہر ہوا ہے تقاضا کرتا ہے کہ انسان فوراً اپنی بدی سے توبہ کرے کیونکہ جیسا مرقوم ہے اس نہ ہر ذی اور اس شخص بخشش کا مقصد مدعا یہ ہے کہ گنہگار شرمندہ ہو کے توبہ کرے اور خدا کی طرف رجوع کرے۔ رومیوں ۲: ۴- خواہ الہی حکومت کتنا ہی تقاضا کرے کہ انسان کو توبہ کرنا ضروری یا خدا کا پاک عدل کتنا ہی کہے کہ عدلِ حاکمی کا نتیجہ کیسا خراب ہوگا۔ پر الہی مہربانی کچھ اور سی دل پر اثر کر نیوالی طاقتور تاثیر رکھتی ہے جیسا کہ کسی شخص کا قول ہے۔ محبت سے بڑھکے مغلوب کر نیوالی اور کوئی تاثیر نہیں ہے۔ اس بات میں کچھ تعجب نہیں ہے کیونکہ سرد نہری ساری بدیوں اور بگاڑوں

کی جڑ ہے۔ اسی سے دل کی سختی اور دائمی بے پرواہی نکلتی ہے جو اللہ کی طرف ہوتی ہے۔ جب دل ایسا سرد ہو تو الہی محبت کے اظہار سے بڑھکے اور کونسی شے اس بدی کو دور کر سکتی ہے۔ یاد رکھو کہ محبت اس میں نہیں کہ ہم نے خدا سے محبت رکھی بلکہ محبت اس میں ہے کہ اُس نے محبت رکھی اور اپنے بیٹے کو بھیجا کہ ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو۔ پہلا پوچھنا ۵: ۵- اور وہ الہی محبت یوں ظاہر ہوئی کہ جب ہم گناہ گار ٹھہرے تو

حاشیہ: بارہا تجربہ ہو چکا ہے کہ جو کام نذر طاقت حکومت ظلم اور اختیار سے نہیں نکلا وہ کام صرف محبت سے ہوا نذر طاقت حکومت ظلم اور اختیار جسم کو اور جسمانی چیزوں کو قابو کر سکتے ہیں پر صرف محبت ہی دل کو جیتی ہے۔ نذر طاقت حکومت ظلم اور اختیار صرف چند روزہ بیرونی غلبہ کر سکتے ہیں پر محبت دل کو مغلوب اور دائمی گرویدہ کر لیتی ہے۔ کوئی ایسا شخص اس گناہ کی دنیا میں نہیں ہے جس کے دل پر محبت اثر نہ کر سکے۔ کوئی ایسا شخص ہر دم اور خود میں نہیں ہے جسے کہ محبت سیدھا نکرے۔ محبت غالب ہے محبت زور آور ہے۔ محبت وہ پہلوان ہے جو لوگوں کو زور سے نہیں اپنے جلال سے فریفتہ کر لیتا ہے۔ محبت وہ خوشبو ہے کہ جس کا ہر ایک طالب ہوتا ہے۔ اگر محبت کے عوض محبت نہ ہو کہ بد سے بھی اُس سے نفرت کرتا ہے۔ غرض کہ محبت ساری سختی اور سرد مہری کو دور کر دیتی ہے۔ الہی

مسیح ہمارے واسطے موارومیوں ۵: ۸- اور پھر اُس محبت کا اثر یوں ہوتا ہے کہ وہ جو زمین سے اوپر اٹھایا گیا مصلوب ہوا، وہ سب کو اپنے پاس کھینچ لاتا ہے یعنی اپنی صلیبی محبت کی تاثیر سے دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے، یوحنا ۱۲: ۳۲-۳۳ کیسی عجیب طاقت قدرت تاثیر اور کشش اُس صلیب کی ہے جس پر جہان کا منجی خون بہا کے مر گیا۔ کتنے بار انہوں نے جو دل کے نہایت سخت اور کڑخت تھے اُس صلیب پر نظر کی اور اُسکی تاثیر سے حیران ہو گئے اور عاجز اور تائب ہو کے ایمان کے وسیلہ اللہ کے نرم دل فرزند ہو گئے۔ انہوں نے اُس پر نظر کی جس کو انہوں نے اپنے گناہوں سے چھیدا تھا۔ اور اُس الہی غم کی تلخی کو جس سے بچتا نہیں ہوتا اپنے دل پر اثر کرنے دیا۔ دوسرا قریبوں ۷: ۱۰- اُسکی محبت نے جو گناہوں کیواسطے رنجی اور خطاؤں کیواسطے گھائل ہوا کیسے کیسے سخت دلوں کو گچھلا کے موسم کڑالا اور ان میں جو خود سر تھے حقیقی غم اور عجز پیدا کر دیا۔ اور انکو بدل دیا۔ ایسے لوگوں نے اس تبدیلی کا اظہار ان گناہوں کے بھرے ہوئے بے پرواہ اور بیدین لوگوں کے چلنوں سے بارہا ہو گیا۔ جو اُس صلیب کی تاثیر سے متور ہوئے۔ انجیل کی جلالی فتح اس ملک اور دیگر ممالک میں جہاں مصلوب منجی کی منادی ہوئی ایسے عجیب طور پر ہوئی کہ کتنے سزا خدائی دشمنوں کی دل تبدیل ہو گئے اور وہ زندہ خدا کی طرف پھرے۔ اور ان میں ہمارا آسمانی گروہ کو خوشی کا نعرہ مارنیکا

بقیہ حاشیہ - انتظام عجیب ہے - ایم حنیف

موقعہ دیا جو ایک گنہگار کے توبہ کرنے پر خوش ہوتے ہیں۔
چارم۔ خدا اُس گنہگار کو جو توبہ کر کے اُسکی طرف پھرتا ہے نہایت فضل اور نہرانی سے قبول کر لیتا ہے۔ چنانچہ حضرت یسعیاہ نبی کی معرفت اُسے یوں فرمایا ہے کہ وہ جو شیریں اپنی راہ کو ترک کرے۔ اور بدکردار اپنے خیالوں کو اور خداوند کی طرف پھرے کہ وہ اُس پر رحمت کرے اور ہمارے خدا کی طرف کہ وہ کثرت سے معاف کریگا۔ کیونکہ خداوند کہتا ہے کہ میرے خیال تمہارے سے خیال نہیں ہیں اور نہ تمہاری راہیں میری راہیں ہیں جسقدر آسمان زمین سے اُسی قدر میری راہیں تمہاری راہوں سے اور میرے خیال تمہارے خیالوں سے دور ہیں۔ یسعیاہ ۵۵: ۷-۹ اور خود ہمارے خداوند اور جہان کو اکیلے اور سچے منجی یسوع مسیح نے کیا خوبی اور عمدگی کے ساتھ گم شدہ فرزند کی تشیل بیان فرمادی کہ کیونکہ وہ آوارہ اور بے راہ لڑکا اپنی زندگی اور دولت کو بد قماش اور بد راہی میں صرف کر کے ہوش میں آیا۔ اور کیونکہ آفتاب اُمید کی روشنی کی شعاع اُسکے ظلمت کے بھرے ہوئے دل پر پڑی۔ اور اُس نے ارادہ کیا کہ نہایت عجز و انکسار سے اپنے باپ کے قدموں پر گر کے معافی مانگوں گا اور اپنے خاندان میں ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ قبول کر نیکی بھی غنیمت جانوں گا۔ جب اس ارادہ سے گھر کو چلا تو ابھی دور ہی تھا کہ اُسکے باپ کو اسے دیکھ کر رحمہ آیا اور دوڑ کے اُسے گلے لگا لیا۔ اور بہت چوما۔ باپ نے نوکروں سے کہا کہ اچھی سے اچھی پوشاک نکالو اور اُسے پہناؤ۔ اور اُسکے ہاتھ میں انگوٹھی اور پانوں میں جوتی xxx

اور اوہم خوشی کریں کیونکہ یہ سیرا بیٹا ہوا تھا اب جیسا کہ گھویا گیا تھا اب بلا سرتب وہ سب خوشی کرنے لگے۔ لوقا ۱۵: ۱۱-۲۴۔ اس تمثیل میں گنہگاروں کے مہربان شفیع اور گم گشتہ لوگوں کے سچے منجی کی محبت نمایاں ہوتی ہے۔ اور اس میں کچھ بھی شبہ نہیں کہ جس محبت سے بھرے ہوئے دل سے یہ باتیں نکلیں وہ دل اب بھی ویسا ہی ہے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ اب اسکی مہربانی اور رحم سے اور بھی بہت امید ہو سکتی ہے۔ کیونکہ وہ متنازع کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ ہم لوگوں کو بھول جائے بلکہ اسلئے کہ لوگوں کو گناہوں سے توبہ اور خلاصی بخشنے بمقابلہ کرومٹی ۲۶: ۲۸۔ لوقا ۲۴: ۴۷۔ اعمال ۱۰: ۴۳۔ عبرانیوں ۹: ۲۲۔ پس اسی گنہگار جو روتا ہے اور اسکے فضل کے تخت کے حضور کانپتا ہے۔ وہ بھی شبہ نہ کر کہ وہ تجھ کو نکال دیگا۔ یوحنا ۶: ۳۷۔ وہ جو مجھ پاس آتا ہے میں اسے سرگز نکال نہ دوں گا۔ یہ اسکے الفاظ میں۔ کیا تو خیال کر سکتا ہے کہ ایسا مہربان شخص تیری توبہ کی قدر نہ کرے گا۔ دلیر ہو اور توبہ کر دیکھ وہ خود فرماتا ہے کہ۔ اے لوگو جو تھکے اور بھاری بوجھ سے دبے ہو میرے پاس آؤ کہ میں تم کو آرام دوں گا۔ متی ۱۱: ۲۸۔ وہ جو ایسا عجیب ہے کہ بدی سے نفرت اور تو بھی بدوں سے الفت کرنا ہے جس نے اُن کے واسطے اپنی جان دی ہے دی اس لائق ہے اور اس سے خوش ہے کہ وہ انہیں جو اسکے وسیع خدا کے حضور جاتے ہیں آخر تک بچا سکتا ہے کیونکہ انکی شفاعت کے لئے ہمیشہ زندہ ہے۔ عبرانیوں ۷: ۲۵۔ پس مناسب ہے کہ ہم اسکے پروفا وعدوں پر بھروسہ کریں اور یقین کریں کہ ہم اسکی درگاہ

سے ہرگز ناامید اور نا کام واپس نہ آئینگے۔ پنجم۔ سچی توبہ اور نجات کا ایسا علاقہ ہے کہ نجات توبہ بغیر ہو ہی نہیں سکتی یہ نہیں کہ توبہ گناہوں کا کفارہ ہو سکتی ہے یا اس میں کوئی ایسی ذاتی خوبی یا قدر ہے کہ گنہگار کیواسطے عذر یا شفاعت یا کفارہ کا کام کر سکے۔ اس قسم کے خیالات توبہ کی مابست حاشیہ بعض اشخاص الہی فضل رحم اور محبت پر اتنا تکیہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ میں انکو محبت اور فضل کے سوائے اور کوئی صفت ہی نظر نہیں آتی۔ ایسے لوگ نہ تو گناہ کی اصلیت نہ اسکی بدی سے واقف ہوتے ہیں اور جب ضمیر انکو کہتی ہے کہ تو سزا کے لائق ہے اور ضرر خدا تجھ کو سزا دے گا تو وہ اسے یوں کہنے خاموش کر دیتے ہیں کہ وَاَللّٰہُ تو مہربان اور رحیم ہے اور بخشش کرنا خدا اسکا خاص ہے جب ہم توبہ کریں تو وہ ہمارے سارے گناہوں کو بخش دیگا اور ہم کو قبول کرے گا۔ دو قسم کے خیال ہیں اور وہ دونوں ناقص ہیں۔ ایک تو یہ کہ خدا ایسا عادل ہے کہ ناممکن ہے کہ وہ کسی گنہگار کو بخشے یا بخش سکے۔ گویا خدا میں قہر محبت اور فضل کی صفت ہی نہیں۔ اور یہ غلط ہے کیونکہ جب ہم لوگوں میں جو خاکی اور ناپاک ہیں اور خاکی اور ناپاک دنیا میں رہتے ہیں اس قسم کی عمدہ اور دل پسند صفیں ہوتی ہیں اور اگر کسی میں موجود نہ ہوں تو وہ مکر وہ خیال کیا جاتا ہے تو کیونکر ہو سکتا ہے کہ خدا جو ساری خوبیوں اور فضیلتوں کا چشمہ ہے

اور گنہگار کی حالت کی ناواقفی سے ہوا کرتے ہیں۔ گناہوں سے توبہ کرنا ایک بات ہے اور گنہگار کا بخشا جانا دوسری بات ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہ بدی سے واقف

بقیہ حاشیہ۔ ان سے خالی ہو بلکہ وہ تو لامحدود ہیں اور ضرور ہے کہ اُس میں یہ صفات بھی

لامحدود طور پر موجود ہوں۔ تو غلط خیال وہی ہے جو ہم نے اوپر مذکور کیا یعنی خدا

کی محبت اور مہربانی پر اپنا بھروسہ کرنا کہ اُس میں غضب علیل اور قہر و سبوت

کی صفات کو نہ دیکھنا۔ اول قسم کے لوگ تو توبہ کو ہیچ سمجھتے ہیں اور دوسری قسم

کے توبہ کو ہی سب کچھ خیال کرتے ہیں۔ صداقت اوسط میں ہے۔ یہ تو ہیچ ہے کہ

خدا عادل اور قدوس ہے اور ضرور ہے کہ گناہ کی سزا دے پر ویسا ہی ہے

سچ اور عین صداقت ہے کہ وہ مہربان اور رحیم ہے۔ یہ بھی سچ ہے کہ بدی کی

سزا دی جائے اور یہ بھی سچ ہے کہ توبہ بالکل ضروری اور مفید ہے۔ یہ نہیں کہ توبہ

گناہوں کی معافی یا بخشش حاصل کر سکتی ہے بلکہ یہ کہ توبہ ایک وعدہ اور حالت

ہے جو گنہگار اپنی بدی کو دیکھ کے اور بالخصوص اُس سے ڈر کے خدا کے ساتھ

کرتا ہے اور اُس میں رہتا ہے۔ یعنی یہ کہ گنہگار وعدہ کرتا ہے کہ آئندہ زندگی کو

خدا ترسی اور پاکیزگی میں بسر کرے گا اور پچھلی بدیوں کو واسطے بے غدر گھڑا ہو کے

کہتا ہے کہ میں بالکل جہنم کے لائق اور اسکا مستحق ہوں اور ساتھ ہی الہی

فضل کی طرف دیکھتا اور دل میں اُمید کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی

ہونا اور اُسکو چھوڑنے کا ارادہ اور وعدہ کرنا ایک جدا شے ہے اور بدیوں کی سزا سے مخلصی

پانا جدا شے۔ ان میں سے ایک کا علاقہ ہمارے چلن سے ہوتا ہے اور دوسرے کا تعلق

ہماری حالت سے۔ ایک کا رشتہ اس امر سے ہے کہ انسان آئندہ زندگی کو کیونکر کا

دوسرے کا علاقہ اسکی ابدیت اور عقبی کی خوش حالی کے ساتھ ہے۔ نجات اور توبہ بالکل

غیر جنس اور جدا جدا چیزیں ہیں اور نوعیت یا جنسیت کے لحاظ سے ایک دوسرے

سے بالکل جدا اور علیحدہ ہیں۔ پر ان میں ایک الہی علاقہ ہے۔ یعنی یہ کہ حقیقی توبہ

ہمیشہ نجات کو حاصل کراتی ہے حقیقی توبہ کے ساتھ موجودہ حالت میں گناہوں کی معافی کا وعدہ

ہے اور آئندہ جہان میں ابدی خوشحالی اور خدا کے دیدار کا۔ نہ اسلئے کہ توبہ بذاتہ اپنے میں نجات

کے حصول کی قدر یا قیمت یا خاصیت رکھتی ہے بلکہ یہ کہ گنہگار کو تیار کرتی ہے کہ دل کھولے

خدا کے فضل کو اپنے میں تاثیر کرنے دے۔ اُن پرستی اور پر خوشی احکام میں سے جو ہمارے

بقیہ حاشیہ طریقہ سے میری بخشش کر دیگا۔ اور جب وہ مقررہ طریقہ اسے معلوم ہو جائے

تو فوراً اسے قبول کرتا ہے۔ اور نجات پاتا ہے۔ غرض کہ توبہ نجات کی علت نہیں۔

بلکہ اس کے لئے ضرور ہے۔ نجات توبہ سے نہیں ہوتی نہ توبہ نجات پیدا کر سکتی

ہے۔ پر اگر کوئی خالص دل سے توبہ نہ کرے تو نجات پا نہیں سکتا۔

ایم حنیف

خداوند یسوع نے اپنی قیامت کے بعد اپنے حواریوں کو دیئے یہ علاقہ ایسے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ اُس سے تعجب انگیز دلیری پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ آسمان پر صعود کرنے سے ذرہ پہلے اُس نے یوں کہا کہ توبہ اور گناہوں کی معافی کی سادہ ساری قوموں میں یروشلیم سے شروع کر کے میرے نام سے کرو۔ (لوقا ۲۴: ۴۷) اور حضرت پطرس حواری نے بھی خداوند کے کلام کے موافق پلٹ کر دست کے دن اس سوال کے جواب میں کہ ہم کیا کریں یوں فرمایا کہ توبہ کرو اور تم میں سے ہر ایک گناہوں کی معافی کے لئے یسوع مسیح کے نام پر پیشہ لے تو روح القدس کا انعام پاو گے اس لئے کہ یہ وعدہ تم سے اور تمہاری اولاد سے میں اور ان سب سے جو دور میں جتنوں کو ہمارا خداوند خدا بلائے۔ اعمال ۲: ۳۸-۳۹ اور پھر ایک اور موقع پر یوں کہا کہ توبہ کرو اور متوجہ ہو کہ تمہارے گناہ مٹائے جائیں۔ اعمال ۳: ۱۹

پس اس میں کچھ کلام نہیں کہ ہر ایک گناہگار جو سچی توبہ کرتا ہے خدا کا فضل حاصل کرتا ہے اور اس فضل کے سبب اُس کے گناہ بخشے جاتے ہیں اور خطائیں ڈھانپنی جاتی ہیں۔ اور وہ ایسا ہو جاتا ہے کہ خدا اُس کے گناہوں کو حساب میں نہیں لاتا۔ زبور ۳۲: ۱-۱۱۔ ایسا شخص ابدی اور دائمی خوشحالی کو حاصل کرتا ہے اور ہلاکت اور سزا سے گذر کر زندگی کو پہنچتا ہے اور اُس دنیا میں داخل ہونے کی اُمید کر سکتا ہے جہاں پوری خوشی کی معموری ہے جہاں دائمی خوشنویسی سیری اور ابدی عشرتیں ہیں۔ زبور ۱۴: ۱۱

پس اگر گناہگار میں تجھ سے پوچھتا ہوں کہ کیا اس مبارک حالت کی کشش تیرے دل میں بھی ہوتی ہے کیا کوئی اور حالت اس سے بہتر ہو سکتی ہے اُس گناہگار کی حالت پر جسے افسوس جسے معافی کی اُمید ہی نہ ہو اور جسکی حالت ابد الابد تک بد اور خراب ہوگی۔ پرسوال ہو سکتا ہے کہ آیا کوئی ایسی حالت بھی ہے جس میں توبہ کا علاقہ نجات کے ساتھ نہ ہو۔ ہم اس کا جواب کامل یقین کے ساتھ دیتے ہیں کہ کوئی ایسی حالت نہیں۔ بلکہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جس گناہ کو ناقابل عفو گناہ کہتے وہ بھی اس قبیلہ سے جدا نہیں ہے۔ چنانچہ منصف حقیقی ان لوگوں کی نسبت جو معافی سے علیحدہ کئے گئے ہیں یوں فرماتا ہے کہ اُنکو پھر سر نو کھڑا کرنا کہ توبہ کر میں ناممکن ہے۔ عبرانیوں ۶: ۶۔ یعنی ایسی شخص کا توبہ کرنا اور پھر سر نو کھڑا ہونا ناممکن ہے۔ یہ نہیں کہ اگر وہ توبہ بھی کریں تو اُنکو کچھ حاصل نہ ہوگا بلکہ یہ کہ وہ توبہ کر نہیں سکتے۔ ایسے لوگوں کی خطرناک حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے دل کی سختی اور ہٹ سے ایسے مُردہ ہو جاتے ہیں کہ خدا کا انصاف اُنکو اُنکی حالت میں چھوڑ دیتا ہے چنانچہ وہ توبہ کر نہیں سکتے۔ پر اگر کسی صورت سے یہ ممکن ہوتا کہ وہ سچے دل سے توبہ کر سکتے تو کچھ بھی شبہ نہیں کہ وہ توبہ گناہوں کی معافی حاصل کرانے کا ضرور وسیلہ ہوتی۔ پس اس خیال سے بڑی دلیری ہوتی ہے کہ جو علاقہ خدا کے فضل نے توبہ اور منجی میں مقرر کیا ہے وہ ایسا باہمی ہے کہ خالص توبہ سے ضرور نجات کی اُمید ہو سکتی ہے۔ اگر کوئی شخص اس بات کو اپنی زندگی اور اپنی روش سے ظاہر کرے کہ اُس نے دل سے توبہ

کی تو بے روک ٹوک وہ یہ امید رکھ سکتا ہے کہ وہ خدا کے فضل سے نجات کا وارث ہے اور اب تک نجات میں رہے گا +

ششم۔ یہ بھی یاد رہے کہ خدا ہمیشہ اس فضل کو دینے کیواستے تیار رہتا ہے جو توبہ پیدا کرنے کیواستے ضروری ہے +

شاید کوئی کہے گا کہ میں اس بات کو مان لیتا ہوں کہ توبہ کرنا ہر ایک کیواستے ضروری ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اپنے دل کی سختی اور اندھلا پن میں رہنے سے میں دن بدن زیادہ گنہگار ہوتا جاتا ہوں لیکن کیونکر میں وہ توبہ کروں جس سے بچتا نہیں ہوتا۔ راقم الحروف نے جو کہا ہے وہ تو بالکل سچ اور قابل تسلیم ہے کہ انسان کی ذات خراب ہو گئی ہے اور کہ نا مناسب گنہگار اپنے دل کی سختی اور خدا کے غضب میں رہتا ہے پر میں پوچھتا ہوں کہ کیونکر وہ اس حالت میں توبہ کر سکتا ہے؟ ہم اسکے جواب میں خوشی سے یہ کہتے ہیں کہ ”خداوند یسوع مسیح جو ہمارے گناہوں کے عوض مارا گیا اور ہم کو راست باز ٹھہرانے کیواستے مردوں میں سے جی اٹھا۔ اسی کو خدا نے مالک اور نجات دینے والا ٹھہرا کے اپنے دہنے ہاتھ پر بلند کیا تاکہ لوگوں کو توبہ اور گناہوں کی معافی بخشے اعمال ۵: ۳۔ یہ اسکا کام ہے کہ تم کو تمہاری موجودہ حالت میں خواہ وہ کیسی ہی خراب کیوں نہ ہو۔ اپنی پاک رُوح دے جسکی تاثیر تمہارے دلوں کو گناہ سے پورا قابل کر کے انہیں عجز اور گناہوں کی نفرت پیدا کرے زمانہ سلف میں بھی اس نے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ تائب

گنہگاروں کو وہ نئے دل اور نئی رُوح بخشے گا۔ دیکھو حزقی ایل ۱۱: ۱۹۔ ذکر یاہ ۱۳: ۱۰۔ پس اگر کسی نے اپنی خرابی اور دل کی بدی کو دیکھ لیا ہے اور اُس پر گریہ اور تاسف کرتا ہے تو مناسب ہے کہ خدا کے ان وعدوں کو لیکے اسکے فضل کے تحت کے حضور جائے اور اس سے کہے کہ وہ اسکے دل کو بدل دے گا اس سے دعا مانگے جس کا خاصہ اجابت اور بخشش ہے۔ اور اسکے سامنے اپنی حالت بیان کرے جو ہمہ روا اور نہربان ہے اور جسے کبھی کوئی لغو بات نہیں کہی اور جو فرماتا ہے کہ مانگو تو تم کو ملیگا۔ ڈھونڈو تو تم پاؤ گے۔ کھٹکھٹاؤ تو تمہارے واسطے کھولا جائیگا۔ اگر تم بڑے ہو کے اپنی اولاد کو اچھی چیزیں دینا جانتے ہو تو کتنا زیادہ وہ جو تمہارا آسمانی باپ ہے ان کو جو اس سے مانگتے ہیں۔

روح القدس دے گا۔ متی ۷: ۷۔ ۱۲ +

ہفتم۔ گنہگار کا توبہ کرنا زمین پر بھی اور آسمان پر بھی خوشی کا باعث ہوتا ہے۔ مسیحی یاروں مسیحی والدینوں اور مسیحی خادم الدینوں کے لئے بڑی شکر گزاری اور خوشی کا موقع ہوتا ہے جب ان میں سے ایک رُوح جس کو وہ پیار کرتے ہیں خالص توبہ کے نشان ظاہر کرتی ہے۔ وہ خوشی کرتے ہیں کہ انکی کوشش کے ساتھ آہی مدد ہوئی کیونکہ انہوں نے تو صرف ظاہری کانوں کو فضل کی بات سنا لی تھی پر آہی رُوح نے سامعین کے دلوں کو کھول دیا انکے مزاج بدل دیئے انکی عقل کو زندگی بخش روشنی دی اور انکی رُوحوں میں محبت کی آگ بھڑکائی۔ ہاں وہ خوب خوشی کرتے ہیں اسلئے کہ ایک

روح گمراہی سے بچنے کے لئے موت اور ہلاکت سے بچتی اور اس کے پیشکار گنہگار کی معافی ہوتی ہے +
یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ یہ خوشیوں صرف ہمارے لواحقین یا ہمارے چھوٹے
سے کرہ ارض پر ہی ختم نہیں ہو جاتی ہیں۔ ایک گنہگار کی توبہ کی خبر خواہ وہ نبی نوع انسان
میں سے کیسا ہی ذلیل اور خوار کیوں نہ ہو اتنا قدر رکھتی ہے کہ عالم بالا پہنچائی جاتی ہے اور
آسمانی مکانوں میں مردہ روح افزائش کی جاتی ہے۔ اور فرشتوں اور خدا کے مقربین سے خوشی
اور حمد کے نعرہ نکلواتی ہے۔ جیسا کہ عالم بالا کا خداوند خود ہم کو یقین دلاتا ہے کہ خدا کو فرشتوں
کے آگے ایک گنہگار کے واسطے جو توبہ کرتا ہے خوشی ہوتی ہے۔ لوقا ۱۵: ۱۰۔ یہ جلالی مخلوق
غیر فانی روح اور اس کی ابدی خوشیوں سے واقف ہیں پس تعجب نہیں کہ آسمان ایک
گنہگار کی توبہ کرنے پر نعرہ ہلایا وہ حمد اللہ سے گونج جائے۔ اگر ہم فرشتوں کی
خوشی کا کچھ تخمینہ کر سکیں تو شاید ہم کچھ خیال کر سکیں گے کہ خود اس کی خوشی کی کیا حد ہوگی
جو صرف گم گشتہ لوگوں کے بچانے کو آسمان سے زمین پر آیا۔ لوقا ۱۵: ۱۰۔ اس نے جو
خود کو اچھا گنہگار یا گنہگار اور جس نے اپنی جان اپنی بھڑوس کی واسطے دیدی اپنی روح
کے وسیلے حضرت لوقا سے اہی محبت کے نمونہ والی مثال بے مثال لکھائیں جسے کہہ سکتے
ہوئی بھڑوس کی تمثیل کہتی ہیں۔ لوقا ۱۵: ۱۳۔ تک بھڑوس ہی کے حرم کی تمثیل
لوقا ۱۵: ۸۔ اور گم گشتہ فرزند کی تمثیل۔ لوقا ۱۵: ۱۱۔ ان تمثیلوں کو غور سے
پڑھو اور انکو اپنی طرف منسوب کرو تو تم دیکھو گے کہ تمہارے دل محبت سے بھرک جائیگے

اور خصوصاً اس خیال سے کہ خدا کا بیٹا جو آسمان زمین موجودات اور کائنات اور سب چیزوں
کا مالک ہے ایک گنہگار کی توبہ پر کتنی خوشی ظاہر کرتا ہے پس اس کے دل میں کیسی محبت ہوگی
اور اس کی نظر میں انسانی روح کی کیسی قیمت ہوگی۔ اس بات کے خیال سے کیسی تعلیم اور کیسی
تسلی حاصل ہوتی ہے کہ خود خداوند ہماری پروا کرتا ہے۔ پس میں پوچھتا ہوں کہ اے گنہگار
کیا توبہ بھی توبہ کے بغیر رہ سکتا ہے کیا اب بھی تو اس تبدیلی کے بغیر رہ سکتا ہے جس پر
صرف تیری ابدی خوشی کا مدار ہے بلکہ جس سے خداوند تعالیٰ کو خوشی کرنے کا موقع ملتا ہے
بلاشبہ مسیح ممتاز شدہ تجھے توبہ کرنے کا فضل عطا کرنے کو تیار ہے بشرطیکہ تو اس سے فضل
کے حصول کی درخواست کرے خیال مت کر کہ اگر توبہ نہ کرے تو کبھی قبول ہو سکیگا۔
جدھر چاہے نظر ڈال اور دیکھ کہ مقبولیت کا پہلا نام توبہ ہے کہ نہیں۔ اور توبہ کا حکم دینے میں
خداوند کیسی محبت ظاہر کرتا ہے۔ اور کیسا خوش ہوتا ہے جس طرح طفل خردسال کی خوشی پورے
آدمی کی خوشی سے کم ہوتی ہے اسی طرح انسان کی خوشی فرشتوں کی خوشی سے کم ہوتی ہے
پس اس کی خوشی جو خود خداوند کیسی بچید ہوگی اگر توبہ کر کے اس کی بغاوت کو چھوڑ دے اور
اس کی فرمانبرداری اور حکومت کو قبول کرے +

مزید برآں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جو اب آسمان پر ایک گنہگار کے توبہ کرنے پر
استغفر خوشی کرتا ہے جب زمین پر تھا تو اتنا بگ گنہگاروں کی حالت پر کیسے غم سے روتا تھا یہ تو
کا گناہ اور لاپرواہی دیکھو وہ کیسا روایا تھا۔ نہ اسے کہ وہ مقام لاثانی دیکھو اور مصیبت کا

نظارہ بننے کو تھا نہ اس لئے کہ خود اس پر اس جگہ میں بڑا جانکاہ صدمہ پہنچنے کو تھا بلکہ اس لئے کہ سدوم و غمورہ کی طرح یروسلیم بھی اپنی ناپائیدار حالت میں رہنے سے الہی غضب اور قہر کا دم عابثے کو تھا۔ فوج کی قوم کو توبہ کی مہلت ملی تھی پر انہوں نے توبہ نہ کی اور خدا کا غضب اس پر اڑا۔ یونس کی قوم کو توبہ کی مہلت دی گئی۔ اُس نے توبہ کی اور غضب کو مال دیا۔ یروسلیم نے اپنی بلا سٹ کے وقت میں نظر نہ کی اور خاک اور راکھ میں بیٹھ کے توبہ نہ کی چنانچہ اسی سبب اس کی بربادی ہوئی جس بربادی کو ہمارا خداوند یسوع پہلے سے دیکھ کے کیسی ملی محبت اور غم سے آنسو بہا کے رویا اور بولا۔ کاشکہ تو اپنے اسی دن میں اُن باتوں کو جو تیری سلامتی کی ہیں جانتا پر اب وہ تیری آنکھوں سے چھپی ہیں۔ لوقا ۱۹: ۴۱۔ جن آنکھوں نے یروسلیم پر یہ آنسو بہائے وہ اب بھی انسانی بدی اور آئندہ عذاب کو دیکھ سکتی ہیں اور موت اور انصاف دوزخ اور بہشت کی تک نظر مار سکتی ہیں۔

پس مناسب ہے کہ ہم اپنے آپ کو ویسا ہی دیکھیں جیسا کہ خداوند ہم کو دیکھتا ہے اور خیال نہ کریں کہ اگر ہم بے توبہ زندگی بسر کریں گے تو اپنے لئے اُس دن کیواسطے جس میں قہر اور خدا کی عدالت حق ظاہر ہوگی اپنے واسطے الہی غضب جمع نہیں کر رہے ہیں۔ رومیوں ۲: ۵۔ خدا کے فضل رحمت اور مہربانی کی جو کوئی حقارت کرتا ہے وہ اپنے لئے قہر غضب اور دوزخ کے شعلے ٹھہراتا ہے۔ اگر گنہگار جو اپنی گنہگاری سے منہ نہیں مڑتا گا کر کے سُن جس نے یہ آنسو یروسلیم پر نظر کر کے بہائے اُس نے اپنا بیش قیمت لہو بھی تیرے

واسطے بہایا کہ تیرے گناہوں کی معافی ہو جائے کیا تو ایسے خداوند کو رولانا پسند کرتا ہے جس نے اپنی جان کو بھی تیری خاطر دیدیا پس ابھی فیصلہ کر کہ تو کس گروہ میں ہوگا۔ اُس میں جن پر خداوند روتا ہے یا اُس میں جن پر وہ خوش ہوتا ہے۔

پر شاید کوئی کہے گا کہ گونا گوب گناہ گنہگار رہنا حقیقت میں بڑی خطرناک بات ہے تو بھی میں کبھی نہ کبھی توبہ کر لوں گا۔ بعض شخص بعض وقت توبہ کرنے کا ارادہ بھی کر لیتے ہیں پر کہتے ہیں کہ ابھی بہت وقت ہے۔ ذرہ گناہ کی لذت اور لیس جس جب موت نزدیک ہوگی تو خالص توبہ کر لینگے۔ میں ایسوں سے کہتا ہوں کہ یہ باطل خیال دل سے نکال دینا چاہئے۔ بستر مرگ پر اپنی زندگی کے سب سے ضروری کام کیواسطے سب سے عمدہ موقعہ دھونڈھنا اور اپنی حقیقی اور ابدی آسائش کو ایسے نازک وقت پر رکھ چھوڑنا بڑی حماقت اور خطرہ کی بات ہے۔ کسے معلوم ہے کہ تمہاری موت مرگ مفاجات اور اچانک نہ ہوگی۔ ایسا کہ تم کو ایک لمحہ کی بھی خبر نہ ملے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ تو اُسے عمیرہ اور خلیلہ اس وقت ایسے کمزور اور ضعیف نہ ہو جائیگے کہ اپنا کام نہ کر سکیں۔ کون بتا سکتا ہے کہ تمہارے جسم کا دکھ جانکنی کی حالت میں کیا بھاری اور تلخ نہ ہوگا کہ تم اسی سبب کسی اور امر کو سوچ بھی نہ سکو گے۔ کسے معلوم ہے کہ جانکنی کی تکلیف کیوقت تمہارے ضمیر کی ملامت ایسی سخت نہ ہوگی کہ موت تم کو بہت کریم نظر اور ہیبت ناک معلوم نہ ہوگی۔ ایسا کہ اُسکے دُور سے تمہاری ہوش و خرد جاتی رہیگی۔ پس خود ہی خیال کرو کہ ایسے نازک وقت پر اپنی ابدیت کو موقوف اور اپنی آسائشوں اور خوشیوں کو

ایک لفظ میں یہ ہے کہ اپنی ابدی نجات کو منحصر کرنا کی عقلمندوں کا کام ہے۔
ہزار ہا واقعات اور تاریخی حالات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے اشخاص نے
چاہا کہ موت کی وقت توبہ کریں پر توبہ نہ کر سکے۔

پس میں گنہگاروں سے منت کرتا ہوں کہ وہ اپنی جان پر ترس کھائیں اور توبہ
کرنے میں ایک لمحہ کی دیر بھی نہ لگائیں موت کی سختی اور جانکشی کے عذاب کو اور اس
ابدی اور لازوال دکھ اور تکلیف کو جس میں موت کے بعد تائب گنہگار پڑینگے میں یا
ولاتا ہوں اور منت کرتا ہوں کہ وہ آئندہ کی واسطے بے پرواہ نہ رہیں بلکہ توبہ کر کے اس

حاشیہ * یہ دنیا آئندہ زندگی کی واسطے ایک مدرسہ جیسی تربیت یہاں ہوتی ہے
وہی ہی حالت وہاں ہوگی۔ اگر اس زندگی میں کوئی شخص قربت خدا
کے لائق ہو جائے تو ہو جائے ورنہ موت کے بعد اسے حال کرنا ممکن
نہیں ہے گنہگار اگر ایسی زندگی میں توبہ کر کے بدل جائے تو بدل جائے
موت کے بعد اس کا امکان نہ ہوگا۔ اگر ایسی زندگی میں ہستی مزاج
اور فرشتوں کی محبت کی ریاضت حاصل ہو تو پھر ممکن نہیں۔ غرضیکہ جو کچھ
انسان کو ملنا ہو وہ اسی زندگی میں بنے۔ موت کے بعد تبدیلی نہیں۔
ایم حنیف

فصل سوم

ایمان کی مہارت

ایمان اور توبہ کا ایسا قریبی اور باہمی علاقہ ہے کہ ان کے حدود اور تاثیرات کا درست
کے ساتھ فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ علیٰ ہذا القیاس یہ فیصلہ کرنا بھی دشوار ہے کہ آیا توبہ پہلے ہوتی
ہے کہ ایمان۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ایسے باہم ملے
جئے اور وابستہ ہوتے ہیں کہ انکی تاثیرات کو ایک دوسرے سے جدا کر کے سمجھنا بہت
مشکل ہے۔ کیونکہ ان کا علاقہ اکثر ایسا ہوتا ہے جسے سبب و نتیجہ کا علاقہ کہتے ہیں یعنی
بعض امور میں توبہ ایمان کا سبب ہوتی ہے اور بعض میں نتیجہ۔ ویسے ہی بعض امور
میں ایمان توبہ کا سبب ہوتا ہے بعض میں نتیجہ مثلاً ضرور ہے کہ توبہ کا سب سے پہلا خیال

پیدا ہونے سے پہلے دل ایمانی صداقتوں میں سے بعض بعض کو قبول کرے ورنہ اُس تبدیلی کا جو توبہ سے دل میں پیدا ہوتی ہے کوئی اور ظاہری یا قابل تسلیم سبب نہیں معلوم ہو سکتا پھر توبہ کی مختلف اور ترقی کنندہ تاثیرات سے دل تیار ہوتا جاتا ہے کہ زیادہ زیادہ اُن صداقتوں کو قبول کرے جنہیں وہ پہلے لاحاصل اور پہودہ سمجھ کے چھوڑے ہوئے تھا۔ چنانچہ یہہ عاجز کرنا والا خیال کہ خدا کی بغاوت میں رہنا نہ صرف گناہ بلکہ خطرہ کی بات ہے۔ انسان کے دل کو اُس صلح کے مسئلہ کی قبولیت کی طرف رجوع کرتا ہے جو خداوند یسوع کی نصیب سے نکلتا ہے۔ اس صورت میں گویا یوں کہہ سکتے ہیں کہ توبہ سبب اور ایمان نتیجہ ہے۔ پر توبہ کرنے سے پہلے ضرور ہوتا ہے خدا کی ذات اور بعض صفات اور اُس کے کلام کی بعض صداقتوں کو پہلے سے دل مانے ہوا ہو مثلاً یہہ مانے کہ خدا ہے اور وہ فلاں فلاں صفات جمیدہ سے محمود ہے۔ جب تک یہہ خیال نہ ہو تب تک توبہ ہو نہیں سکتی اور اس صورت سے یہہ کہہ سکتے ہیں کہ ایمان علت ہے اور توبہ معلول غرض کہ ایک قسم کا ایمان جو توبہ سے ہوتا ہے کہ ہم کو مجبور کرتا ہے کہ اپنے گناہوں سے نہ صرف ناام ہوں بلکہ نہایت عجز و خاکساری سے اُن پر روئیں اور گریہ کریں اور گویا خاک اور رکھ میں بیٹھنے کے اُنکی معافی کی درخواست کریں۔

جس مضمون کا ذکر اب ہم کرتے ہیں ظاہر ہے کہ وہ بھاری اور مفید مضمون ہے پر اگر کوئی شخص اس کو کم درجہ کی بات سمجھے تو میں منت کرتا ہوں کہ وہ اس فقرہ پر غور کرے

جو خدا ہی مجسم کی زبان سے نکلا۔ کہ جو خدا کی بیٹے پر ایمان لا تا ہے اُس پر سزا کا حکم نہیں ہو لیکن جو اُس پر ایمان نہیں لا تا ہے اُسکی واسطے سزا کا حکم ہو چکا کیونکہ وہ خدا کی بیٹے کے نام پر ایمان نہیں لا تا۔ یوحنا ۳: ۱۸۔

ایمان میں دو طرح کی خاصیتیں ہوتی ہیں۔ اول وہ علاقہ جو ایمان نجات کے ساتھ رکھتا ہے۔ دوسرا وہ تاثیرات جو ایمان مومنوں کے دلوں میں پیدا کرتا ہے۔
اول واضح ہو کہ سب سے پہلے یہہ جاننا ضرور ہے کہ ایمان کے کیا معنی ہیں اور کلام اللہ میں اس سے کیا مفہوم ہوتا ہے۔ اور دوسری بات یہہ چاہئے کہ چند ایسے اصول قائم کئے جائیں جن سے ایمان کے بارہ میں غلطی نہ ہو۔ تیسرے یہہ کہ ایمان کس پر ہونا چاہئے۔

اول۔ ایمان کے درست اور کلام اللہ کے موافق معنی سمجھنا۔ افسوس کی بات ہے کہ بعض لوگ لفظ ایمان کو بہت ذلیل معنی میں استعمال کرتے ہیں اور اس سے بھی

حاشیہ مثلاً بعض صاحب کہتے ہیں کہ ہم سچ پر اور تمام انبیائے سلف پر ایمان لاتے ہیں حالانکہ ان انبیائے سلف میں سے اکثروں کا حال تو کیا نام تک بھی نہیں جانتے معلوم نہیں کہ کیونکر اُس جس کا نام تک معلوم نہ ہوا جسکی صفات وغیرہ کا بھی علم نہ ہوا ایمان ہو سکتا ہے۔ مان لینا اُس کا جسے ہم نہیں جانتے ایک ایسا امر ہے جیسا بچوں کی کہانی۔

زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ فیلسوفانہ اور عالمانہ مباحثوں نے بجائے اسکے کہ ایمان کے معنوں کی جلا اور نقل کرتے اسے اور بھی زیادہ مخلوط اور غیر مفہوم اور گڑبڑ بڑھ کر ڈالا ہے۔ پر خدا کے کلام میں جو مفہوم لفظ ایمان سے ہوتا ہے اس کا سمجھنا ذرا بھی مشکل نہیں ہے۔ کلام الہی کے الفاظ کا درستی سے سمجھنے کا ایک عام قاعدہ یہ ہے کہ جب خدا کے کلام میں ملجہم اشخاص اُن لفظوں کو استعمال کرتے ہیں جو عام لوگوں میں مستعمل ہوتا ہے تو اُس سے وہی مفہوم ہوتا ہے جو اُس زمانہ کے لوگوں کے عام معنوں سے حاصل ہوتا ہے اگر اُن کے اُس خاص لفظ سے کوئی خاص معنی یا مراد مقصود ہوں تو علی العموم ایسا ہوتا ہے کہ اس کی خاص طور پر تشریح ہوتی ہے چنانچہ اگر ملجہم اشخاص سب کے سب بالاتفاق خیال کر لیں کہ جو الفاظ وہ استعمال کرتے ہیں اسکے وہ معنی ہیں جو عام لوگ بغیر کسی مشکل یا غلطی کے سمجھ لیں گے تو وہ اس کی تشریح نہیں کرتے۔ پس اُس لفظ کے وہی معنی ہوتے ہیں جو اسکے معنی رسولوں کے زمانہ میں تھے۔ یہ قاعدہ لفظ ایمان پر بھی لگتا ہے۔ پاک نوشتوں کے تحریر کرنیوالے مسئلہ ایمان پر سب مسائل سے زیادہ زور دیتے ہیں اور علی التواتر بڑی تاکید سے اُس کو سامعین کے دلوں پر نقش کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خداوندی

قبیلہ حاشیہ وہ لوگ جو سچ خداوند کی ذات اور کام کو نہیں مانتے معلوم نہیں کہ کیونکر

جرات کر کے کہہ سکتے ہیں کہ ہم سچ پر ایمان لاتے ہیں +

ایم حنیف

پر ایمان لاؤ۔ تفسیر بھی جائے غور ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو کبھی بھی یہ خیال نہیں ہوا کہ عوام الناس اُن کی مراد یا معنی نہ سمجھیں گے۔ بلکہ ایسا صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ کے استعمال کرتے ہوئے اُن کا یہ خیال تھا کہ جمہور اُسے بغیر کسی روک یا مشکل کے آسانی سے سمجھ لیں گے +

وضیح ہو کہ جو لفظ کتب الہامی کے تحریر کرنے والے ایمان اور یقین کے واسطے استعمال کرتے ہیں اُس میں یا تو اُس کلام سے جو وہ کہتے تھے علاقہ ہوتا تھا یا اُس شخص کی ذات اور حقوق سے جس کی طرف سے وہ کلام کرتے تھے۔ جسے دوسرے لفظوں میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب وہ لوگ کہتے تھے کہ ایمان (اور یقین) کرو تو یہ ایمان یا یقین اُس بات سے علاقہ رکھتا تھا جسے وہ کہتے تھے یا اُس شخص کی طرف منسوب ہوتا تھا جس کی طرف سے وہ کلام نازل ہوتا تھا۔ مثلاً جب وہ کہتے تھے کہ اس بات پر یقین کرو یا ایمان لاؤ۔ تو اُن کی مراد یہ ہوتی تھی کہ یہ یقین کرو کہ جو کچھ اس بات یا کلام سے مفہوم ہوتا ہے وہ فی الحقیقت راست اور درست اور قابل تسلیم ہے۔ اور جب وہ کہتے ہیں کہ خدا پر ایمان لاؤ تو اُن کی مراد یہ ہوتی تھی کہ یقین کرو کہ خدا ویسا ہی ہے جیسا اُس نے خود اپنے کلام یا مکاشفہ سے ظاہر فرمایا ہے چنانچہ جب ایمان لانا کسی امر پر ہوتا ہے جو شہادت یا بیان یا وعدہ کے طور پر ظاہر کیا جاتا ہے تو مراد یہ ہوتی ہے کہ اس شہادت یا بیان یا وعدہ کو سچ اور راست کر کے تسلیم کرو اور اُس میں شک و شبہ

کو ذرہ بھی جگہ مت دو اور جو تاثیر اُس سے نکلتی ہے اُسے اپنے میں کام کرنے دو۔ یا اگر کسی ایسے امر پر ایمان لانا مراد ہے جو اُس شخص کی ذات و صفات سے متعلق ہے جس کی طرف سے یا جس کی اجازت سے وہ کام کرتے ہیں تو ایسی حالتوں میں شخص مفہوم پر ایمان لانا مراد ہوتا ہے۔ مثلاً فرض کرو کہ اگر آج کے دن خدائے قدوس اپنے الہی جلال و عظمت کے ساتھ نبی نوع آدم میں سے کسی پر ظاہر ہو کے کہے کہ میں قادر اور کافی وافی خدا ہوں اور میں تیری سپرد اور تیرا راجد ہوں تو مخاطب سے صرف اتنا مطلوب ہے کہ وہ خدا پر کھوسا کرے اور بڑے ادب اور عجز اور حمد کے ساتھ اُس پر یقین کرے چنانچہ خدا نے ابراہام پر آپ کو اسی طرح پر ظاہر کیا تھا۔ اور خدا کے بندے ابراہام نے خدا کے اس فیضان پر وہ اعتماد اور کھوسا کیا جس میں شک و شبہ کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ اور یہی اس کا ایمان کہلاتا ہے جسکی تشریح دو واقعات سے ہوتی ہے۔

۱۔ راجن میں سے اول تو عبرانیوں کے خط کے گیارہویں باب میں مسطور ہے۔

ایمان سے ابراہام نے جب وہ بلایا گیا تو مان لیا اور اُس جگہ چلا گیا جسے وہ میراث میں پانے کو تھا اور باوجودیکہ نہ جانا کہ کدھر کو جاتا ہے پھر بھی مان لیا۔ آیت ۸۔

ڈاکٹر وہائٹ اسپریوں لکھتے ہیں کہ جب ابراہام کو حکم ملا کہ اپنی سرزمین سے یعنی اپنے وطن سے نکل جائے تو اُسے معلوم نہ تھا کہ جن لوگوں میں وہ اب جاتا تھا آیا وہ اُس کے دوست ہونگے یا دشمن اُس پر مبنی کرینگے کہ سختی۔ کہ اُس کا خاندان وہاں

جا کے آیا خوش ہو گا یا ناخوش کہ وہ وہاں آیا آرام و آسائش سے رہینگے یا تنگی اور دکھ سے اُس نے ان ساری باتوں کا ذرہ بھی خیال نہ کیا جن کی بابت عموماً سب لوگ سفر کے پہلے سوچا کرتے ہیں اُس بھاری سفر کو اختیار کیا اور اُس کا عظیم کو قبول کیا جس میں خود اُسکی اور اُسکے خاندان کی بھلائی یا بُرائی کا تعلق تھا۔ اُس نے یہ کام جسے لوگ ناساختہ اور کم عقلی کا کام کہیں گے محض اس سبب سے کیا کہ وہ اُس شخص کی ذات و صفات پر جس نے اُسکو سفر کا حکم دیا تھا پورا اعتناء رکھتا تھا۔ اور اُس پر ایمان رکھنے نے اُسے اس بھاری فہم کو قبول کرنے پر آمادہ کیا۔ خدا نے اُسے حکم دیا تھا کہ یہ بھاری اور خطرناک سفر خستہ پا کرے اور اُس نے خدا کا فرمان مان لیا حقیقت یہ تھی کہ اُسکی نظروں میں جلالی خدا اس لائق تھا کہ وہ خود کو اور اپنے سارے لواحقین اور تعلقات کو خدا کی مرضی چھوڑ دے۔ اور اُسکی سمجھ میں یہ سب سے اچھا اور قیل کا کام تھا۔ چنانچہ وہ بڑی خوشی سے تابع فرمان الہی ہو گیا۔

(۲) دوسری بات رؤیوں کے خط کے چوتھے باب میں مذکور ہے کہ جب ابراہام عمر رسیدہ ہو گیا تو خدا نے اُس سے وعدہ کیا کہ اُسکے گھر ایک بیٹا پیدا ہو گا جس سے کہ نہ صرف ایک عظیم اور پُر طاقت قوم نکلیگی بلکہ جسکی اولاد سے وہ مسیح بھی پیدا ہو گا جس کی انتظاری آباؤ اجداد مدت سے کرتے تھے اور جو دنیا کی ساری قوموں کو بریں دیگا۔ لکھا ہے کہ وہ بے ایمانی سے خدا کے وعدے میں شک نہ لایا بلکہ اعتقاد

میں مضبوط ہو کے اُسے خدا کی بڑائی رسماً کی اور کامل یقین کیا کہ جو کچھ خدا نے وعدہ کیا تھا وہ اُسے پورا کرنے پر قادر ہے۔ چنانچہ یہ ایمان اُس کی واسطے راستبازی گنا گیا ۲۰ سے ۲۲ آیت تک۔ پس یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کا ایمان بالصرحت خدا کے وعدے پر بھروسہ کرنا تھا جو خدا کی ذات و صفات سے وابستہ تھے۔ یعنی یہ کہ اُس نے اپنی کمالات پر بھروسہ کیا اور اس سبب سے الٰہی وعدوں پر بھی اُس کا ایمان ہوا۔ اور بقول حضرت پولوس یہ ایمان اُس ایمان کا جو راستبازی بنانے کے واسطے ضروری ایک عالمگیر نمونہ ہے +

غرض کہ ایمان کے معنی جسکی بابت کتبِ عہدِ عتیق و جدید میں اتنا کچھ لکھا ہے جسکی بابت خدا تعالیٰ حکم دیتا ہے اور جس پر نجات لبردی کا دار و مدار ہے یہ ہے کہ ایسا اعتبار کرنا جو یقین اور اعتماد پیدا کر دے +

رس (۱) ایک اور مثال خداوندِ یسوع مسیح کے الوداعی نصیحت کے آغاز میں مرقوم ہے کہ تمہارا دل نہ گھبراے تم خدا پر ایمان لاتے ہو مجھ پر بھی ایمان لاؤ جس کا زیادہ درست ترجمہ یوں ہے کہ تم خدا پر ایمان لاؤ اور مجھ پر بھی ایمان لاؤ۔ یوحنا ۱۱:۱۴ چنانچہ شبِ ہال

حاشیہ * رسالہ راحت القلوب جو مصنف نے لکھا ہے اور جو پنجاب لیجنس بک سوسائٹی کے کتب خانہ لاہور سے مل سکتا ہے اس مضمون پر ایک نطل تحریر جو چاہیں اُسے دیکھیں + ایم حنیف

اور سکات صاحب اس کے معنی یوں کرتے ہیں "اپنے دل کا سارا بھروسہ مجھ پر رکھو جو ابنِ اللہ ہوں اور انسانی جسم میں تمہارے پاس ہوں۔ نہ صرف اس فقرہ سے بلکہ ان تشریحی جملوں سے جو اس آیت کے بعد مندرج ہیں یہ امر صاف ثابت ہوتا ہے کہ ہمارا خداوندِ یسوع اپنے شاگردوں کو جس چیز کی تاکید کرتا ہے وہ یقین و اثق اور ایمان مطلق ہے۔ گویا وہ یوں فرماتا ہے نہ چاہئے کہ تمہارے دل میری جدائی یا تکلیف کے خیال سے جو آنے کو ہیں گھبراہیں۔ اپنا بھروسہ خدا پر رکھو جو تمہارا باپ ہے اور میرا باپ اور اپنا بھروسہ مجھ پر رکھو جو اُس کا پیارا بیٹا ہوں۔ کیا میرا حق نہیں ہے کہ تم مجھ پر بھروسہ کرکھو۔ کیا تم میری محبت یا قدرت یا وعدے میں کسی قسم کا شک رکھتے ہو۔ میرے باپ کے گھر میں بہت سے عالیشان محل ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں تم کو بتا دیتا۔ میں جانتا ہوں کہ تمہارے لئے ایک آسمانی مکان تیار کروں۔ پس میں گھر آؤنگا اور تم کو اپنے ہمراہ لیجاؤنگا۔ کہ جہاں میں رہتا ہوں اور میں وہاں تم بھی رہو اور ہو۔ فی الجملہ خداوندِ یسوع مسیح یہاں جس امر کی تاکید کرتا ہے وہ یقین و اثق اور اعتماد مطلق ہے +

(۲) چوتھی مثال حضرت پولوس کے سب سے آخری خط میں موجود ہے جو اُس نے اُس وقت لکھا تھا جبکہ شہید ہونے کو تھا۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ میں شہید ہونا نہیں اس لئے کہ میں اُس کو جانتا ہوں جس پر اعتقاد ہے۔ اور میرا یقین ہے کہ وہ

خدا میری امانت کی اُس قیامت کے دن تک حفاظت کر سکتا ہے۔ دوسرا مطلقاً اس
۱۲۱۔ گویا وہ یوں کہتے ہیں کہ سب سے زیادہ اعتماد اور بھروسہ اگر کوئی کسی پر کرے تو
یہ ہے کہ اپنی غیر فانی جان دوسرے کے سپرد کر دے۔ یہ ایسی بیش قیمت چیز ہے کہ
فرشتوں کے سب سے بڑے سزا کے سپرد بھی نہیں کر سکتا انسان کا تو کیا ذکر
ہے۔ کیونکہ مخلوق خواہ کیسا ہی عالی تبار کیوں نہ ہو لازوال اور لاتبدیل نہیں ہو سکتا
پر مجھ کو خوب معلوم ہے کہ میرا بھروسہ کس پر ہے۔ اور مجھ کو یقین ہے کہ میری روح اُسکے
ہاتھوں میں محفوظ رہے گی۔ پس میں اپنی روح اُسکے ہاتھ میں سونپتا ہوں جس نے
خود ہماری نجات کا کام پورا کیا ہے اور جو اب جناب عالی کے دہنے ہاتھ تخت نشین
ہے اور فرشتے اور ریاستیں اور طاقتیں سب اُسکے تابع ہیں۔ میری روح اُسکے سپرد
ہے جو اپنے زور بازو سے دنیا میں نجات کو لے آیا اور جس نے قید کو قید کیا میں
اُس پر بھروسہ کرتا ہوں اور ڈرتا نہیں کیونکہ اُس کا نام چھووا (جی و سیوم) ہے۔
یہاں سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو ایمان حضرت پولوس کا تھا وہ بھی بھروسہ اور
اعتقاد تھا۔

(۵) پانچویں مثال عبرانیوں کے خط کے گیارہویں باب کی پہلی آیت میں
مرقوم ہے کہ۔ ایمان امید کی ہوئی چیزوں پر بھروسہ کرنا اور اندکھی چیزوں پر یقین کرنا
ہے۔ (یہ زیادہ درست ترجمہ ہے جسے بہت سے مفسر تسلیم کرتے ہیں) یہ جملہ بھی ان

مختصر جملوں کی طرح جن میں بے حد بھروسے معافی مخفی ہوتے ہیں بسبب اپنے
اختصار کے کسی قدر غیر مفہوم ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ راقم کے دل میں اور الفاظ
بھی تھے جن کو قلمبند کرنا اُسے ضروری نہ سمجھا چنانچہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت پولوس
کا مطلب یہ ہے کہ ایمان خدا پر بھروسہ کرنا ہے ان امور کی بابت جن کی امید
ہوتی ہے۔ اور اندکھی چیزوں کو ایسا حقیقی اور موجود سمجھنا ہے گویا کہ ان کو دیکھا ہی ہے۔
کیونکہ خدا نے اُنکا وعدہ کیا ہے۔ اُسکے کہ خدا نے صداقت کے اُس بیان کو جس پر
یقین کرنے کا اُس نے حکم دیا ہے اور جس کے واجب طور سے قبول کرنے پر
ہماری ابدی نجات موقوف ہے صرف ایک شہادت کی شکل میں ظاہر فرمایا ہے۔ پس
اگر ہم انسان کی گواہی قبول کریں تو خدا کی گواہی تو اُس سے بڑی قابل اعتبار
ہے۔ اور خدا کی گواہی یہی ہے جو اُس نے اپنے بیٹے کے حق میں دی کہ خدا فی ہم کو
ہمیشہ کی زندگی بخشی اور یہ زندگی اُسکے بیٹے میں ہے۔ پہلا یوحنا ۵: ۹۔ ۱۱
اگر کوئی کہے کہ خدا کی گواہی انسانی گواہی سے کیوں زیادہ قابل اعتماد ہے تو جواب یہ
ہے کہ انسان کی گواہی کی نسبت خدا کی گواہی میں اعتماد اور یقین کرنے کی زیادہ
وجہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں فانی مخلوق سے کہیں بزرگ اور بالاتر ہے
پس ظاہر ہے کہ جس ایمان کی بابت کلام ربانی بار بار تاکید کرتا اور جسکی عمدہ
تائیرات پر حیات ابدی نجات کا انحصار بتاتا ہے یہ ہے کہ خداوند یسوع پر اعتبار اور

جہر سا کرنا۔ یعنی اُس کو اسی کو قبول کرنا جو خدائے بزرگ و واحد نے (بنایسوع مسیح کے حقیقی اور اکیلے منجی ہونے کے بارہ میں فرمائی ہے چنانچہ انجیل پر ایمان لانیکے یہی معنی ہیں کہ اُس کو اسی کو جو اناجیل خدا کے پیارے بیٹے یسوع مسیح کی بابت دیتی ہیں راست اور درست خیال کر کے بیشک وثیقہ تسلیم کرنا اور اس تسلیم سے جو تاثیرات نکلتی ہیں انکو اپنے دل پر اثر کرنے دینا۔ الحاصل یہ یقین کرنا کہ جو گواہی خدا کے کلام میں موجود ہے وہ بالکل راست درست عمدہ سچ اور مفید ہے۔ کیونکہ وہ قدوس خدا سے جو بیکرد کے لائق ہے نکلتی ہے اور محض اُس کے بے نہایت رحم سے ہمارے لئے دنیا میں بھیجی گئی ہے۔

دوم۔ ضرور ہے کہ چند ایسے اصول مقرر ہوں جو ہماری ہدایت اور رہنمائی کیواسطے مفید ہوں۔ تاکہ ہم ایمان صادق و کاؤب میں مستیاز کر سکیں۔

(۱) صادق ایمان کے لئے ضرور ہے کہ ہم اُس شہادت ربانی کو جو کلام الہی میں بنایسوع مسیح کے بارہ میں مندرج ہے درست اور ٹھیک طور سے سمجھیں کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی شخص کہے کہ میں خداوند یسوع کی انجیل پر ایمان لانا ہوں اور شاید اپنے ایمان کو ایمان صادق بھی سمجھتا ہو اور تو بھی انجیل ایمان سے محض بے بہرہ اور تالبد ہو۔ ممکن ہے کہ بعض مقامات بائبل اُس نے سمجھ لئے ہوں اور تو بھی اتنا نہ سمجھا ہو کہ اُسکی نسبت درستی سے یہ کہہ سکیں کہ اُس نے انجیل حلیل کا مطلب سمجھ لیا ہے مثلاً کل انجیل

کا خلاصہ حضرت پولوس کے پہلے خط بنام تھماؤس کے پہلے باب کی چودہ آیت میں مندرج ہے کہ یہ امر بالکل سچ اور قابل تسلیم ہے کہ مسیح یسوع دنیا میں گنہگاروں کی بچاؤ آیا۔ اس بے نہایت قابل تسلیم بیان میں دو جدا امر شامل ہیں۔ اول یہ کہ انسان گنہگار ہے اور اپنے گناہوں کے سبب ہلاکت کے لائق ہے۔ کہ اُسکا مزاج اور عادت سب کے سب بد ہیں اور بدی کی طرف مائل رہتے ہیں اور کہ وہ بے نہایت کم سخت حالت میں ہے۔ دوم یہ کہ یسوع نجات دہندہ ہے اور پھر ایسا نجات دہندہ ہے کہ اُن سب کو جو اُسکے وسیلہ خدا کے حضور جاتے ہیں آخر تک بچا سکتا ہے اور بچانا چاہتا ہے۔ عبرانیوں ۲: ۲۵۔ یہ دونوں امر ایک دوسرے کے ساتھ ایسے لازم و ملزوم ہیں کہ دوسرا امر اچھی طرح سمجھ میں نہیں آسکتا جب تک پہلا سمجھ میں نہ آجائے۔ یا دوسرے الفاظ میں یوں کہیں کہ جب تک آدمی اپنی گنہگاری کی حالت کو خوب سمجھ نہ لے

حاشیہ: وہ لوگ جو گناہ کی نسبت درست خیال نہیں رکھتے ممکن نہیں کہ خداوند یسوع کو اچھی طرح سے سمجھ لیں۔ کیونکہ یسوع کیا ہے مگر گنہگاروں کے بچانے والا۔ اور وہ جو اپنے آپ کو گنہگار یا عارضی گنہگار وغیرہ سمجھتے ہیں وہ نہیں سکتا کہ گنہگاروں کو بچانے والے بخوبی سمجھ لیں۔ مثلاً بعض کہتے ہیں کہ گناہ ایک عارضی بات ہے اور اسکی کچھ بھاری سزا نہیں ہو سکتی۔ دوسرے کہتے ہیں یہی دبدی لازم و ملزوم ہیں۔

تب تک مسیح کی نجات دہندگی کو سمجھ نہیں سکتا۔ علمی یا عقلی یا فلیسوفی

بقیہ حاشیہ: پس ایک دوسرے کا بدل کر دیتے ہیں۔ اوروں کا خیال ہے کہ گناہ

کوئی چیز نہیں ہے۔ انسانی تمدنی تعلقات میں محض افادہ عام کی غرض سے نیک و بد چیریں اور کام کہلاتے ہیں۔ خدا کے نزدیک نیکی

بدی کچھ چیز نہیں ہے۔ اوروں کا خیال ہے کہ گناہ ایسی ادنیٰ چیز ہے کہ خدا تعالیٰ جو رحیم ہے یونہی بخشد گناہ جس طرح باپ بیٹے کے قصور معاف

کرتا ہے جبکہ وہ اپنے قصوروں کا اقرار کرے اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی گناہوں کا اقرار کرنے سے بخشد گناہ۔ اور کہتے ہیں کہ اللہ کسی اپنی باری کی

سفارش سُننے بخشد گناہ۔ غرض کہ کوئی ایک اور کوئی دوسرا خیال رکھتے ہیں اور ان سب میں گونا گونا گویا دوسرے سے اتفاق نہیں لیکن حقیقت

میں وہ ایک دوسرے کے ساتھ ایک امر میں پورا اتفاق رکھتے ہیں کہ اپنے گناہوں کو ویسا نہیں سمجھتے جیسا کہ ان کا حق ہے۔ اور

اسی سبب سے خداوند یسوع کے کام کو بھی نہیں سمجھتے بلکہ یہ بات اُنکو بسا اوقات سُنسی کی بات معلوم ہوتی ہے جس کی وہ

ٹوہیا کی کہانی سے بھی کم قدر کرتے ہیں۔ اس کتاب میں ہم کسی جگہ حسب موقع اس بات کا پورا بیان

طور سے سمجھنا اور بات ہے اور حقیقتاً سمجھنا اور جیسا کہ عقل سے کسی شے کو جاننا اور امر ہے اور اپنے ذاتی تجربہ سے جاننا دیگر مثلاً اگر کوئی سر کے درد سے بیمار ہو تو درد کی وہ کیفیت

جو اُس مریض کو معلوم ہے ہرگز اُس شخص کو جس کے سر میں کبھی درد نہیں ہوا معلوم ہونی ممکن نہیں ہے۔ شیرینی کا مزہ اُسے معلوم نہیں ہو سکتا جس نے کبھی شیرینی نہ

کھائی ہو۔ ویسے ہی گناہ کے بدی اور خطرہ کبھی اُنکو معلوم نہیں ہو سکتا جو خود کو بگناہ سمجھتے ہیں۔ پس نہایت ضرور ہے کہ انسان سب سے پہلے اپنی ابتر حالت اور گنہگاری

اور تنگی کو بخوبی سمجھ لے حتیٰ کہ وہ دل سے یہ کہہ سکے کہ میں سچ مچ برا گنہگار ہوں۔ ان ایسا گنہگار جو خدائے قدوس کی نظر میں گھنونا اور موت کے لائق ہو جسے نجات

بقیہ حاشیہ: کرے۔ اس جگہ صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ وہ جو خود کو درستی کے ساتھ نہیں

سمجھ سکتا کیونکر ہو سکتا ہے کہ دوسرے کو اچھی طرح سمجھے۔ وہ لوگ جو خداوند یسوع کی بے قدری اور حقارت کرتے ہیں چاہے کہ سب سے پہلے اپنے آپ کو

اور اپنے حال کو سمجھ لیں اور تب اُنکو اس آہنی فضل میں جو ربنا یسوع مسیح کے وسیلے ظاہر ہوا عزت تسلیم اور تعظیم کرنے کی کافی وجہ دکھائی دے گی۔ تب وہ

حیرانی اور شکر گزاری کے ساتھ خدا کے اس بھاری انعام کو جو یسوع مسیح کی نصیب میں ہوا ہے اچھی طرح دیکھ اور سمجھ سکیں گے۔

ایم حنیف

Rev Michael Joseph. Cell # 92 300 7233 854.
yscaljesus@gmail.com yesmicheal@yahoo.co.uk
 Evenglist Yousaf Masih. Cell # 92 300 7233 853.

کی کوئی امید نہیں ہے۔ اس کیسی کی حالت میں جب گنہگار پہنچتا ہے اور اپنے چاروں طرف اپنی بدیوں کے سبب ہلاکت۔ گناہ اور موت دکھتا ہے تب الہی فضل جسکا کچھ بھی استحقاق اسے حاصل نہیں ہوتا اسکی پرمردہ اور غمزدہ جان پر امید کی روشنی چمکتا ہے۔ اس شخص میں جو اپنے گناہ کو اور اسکی باہت کو صرف فیلسوفانہ یا عالمانہ طور سے مانتا ہے اور اس شخص میں جو اپنی گنہگاری کی حالت کو اپنے تجربہ سے جانتا ہے اور اس سے اچھی طرح واقف ہو کے کہتا ہے کہ اسی خداوند مجھ گنہگار پر رحم کر لو قافلاً ۱۸: ۱۳ آسمان وزمین کا فرق ہوتا ہے۔ اول الذکر میں نہ صرف درست خیال نہیں بلکہ درست سمجھ بھی معدوم ہوتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو اور اپنے گناہوں کو اس طرح نہیں سمجھتا جس طرح کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نظروں میں معلوم ہوتا ہے اور جس طرح سمجھنا اسے ضرور ہے آخر الذکر اپنی حالت کو اچھی طرح پہچانتا ہے اور اسی سبب سے اس بے نہایت فضل کو جو ہمارے خداوند یسوع کے وسیلے ظاہر ہوا سمجھ سکتا ہے +

پس جو شخص خود کو اچھی طرح نہیں جانتا تو اس بیان کو جو خدا کے کلام مبارک میں گناہ کی باہت اور خاصیت کی بابت مندرج ہے سمجھ نہیں سکتا پھر کیونکر وہ اس بیان اور اس شہادت کو جو اس کے بارہ میں لکھا ہے جو گنہگاروں کا شفیع ہونے کو آیا سمجھ سکیگا۔ خواہ وہ کتنا ہی نجات دہندہ کے رحم اور اس خون کی بابت جو گناہوں کے کفارہ کے واسطے بہایا گیا اور تقدیس کی بابت کیسی بھاری اور دقیق کتابیں

کیوں نہ پڑھے پر یہ بیانات بجائے اسکے کہ مقصود انرا اسکے دل میں پیدا کرے زیادہ سے بہتر نہ ہوگی کی باتیں معلوم ہونگی۔ کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ گناہوں کی معافی کیواسطے محض خدا کے فضل مطلق کی طرف دکھنا ہے اور وہ اس سے بھاری انعام کی طرف جو خدا نے ہمارے خداوند یسوع مسیح کے وسیلے دنیا کو دیا عزت اور محبت سے نہیں دکھتا۔ لہذا وہ اس ضرورت کو نہیں دکھتا کہ خداوند یسوع مسیح کے وسیلے خدا سے میل کرے اور انجیل جیل سے جو محض صلح اور معافی کا پیغام ہے اسکے دل میں کچھ جوش یا اثر پیدا نہیں ہوتا۔ خدا کے کلام کی صداقتوں کی خواہ ایسا شخص کسی ہی تعریف و توصیف کیوں نہ کرے پر یہ محض لفاظی ہی لفاظی ہے۔ کیونکہ ان سے نہ تو اسکے دلیلیں اسکے عقل میں نہ یادداشت میں کچھ اثر پیدا ہوتا ہے پس سب سے پہلے ضرور ہے کہ انسان ان خیالوں کو جو وہ اس بھاری اور مفید مضمون (انسان کی گنہگاری) پر رکھتا ہے غور سے دیکھے کہ آیا وہ درست ہیں یا نادرست۔ تب وہ ایمان کے خالص یا ناخالص ہونے کو دریافت کر سکیگا +

(۳) ممکن ہے کہ انجیل کی بہت سی باتوں پر سیکہ ایمان ہو اور کچھ بھی خالص انجیل پر اس کا ایمان نہ ہو۔ مثلاً ممکن ہے کہ انسان ان شہادتوں کو مانے جو مسیحی دین کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل ہیں اور جن سے دلائل عقلیہ و نقلیہ اس قسم کے نکلتے ہیں کہ انسان کے دل کو اس دین کے برحق اور منجانب اللہ تسلیم کرنے پر مجبور کرتے

ہیں۔ تو بھی وہ شخص ایمان خالص سے نا آشنا ہو۔ ممکن ہے کہ کوئی شخص انجیل کے مطالعہ کرنے کے بعد بلا تحریف و تبدیل ہونے اور اسے پر صداقت سمجھنے کے کام میں بہت سا وقت صرف کرے پھر بھی اس کا دل انجیل کے بے بہا مطالب سے بے بہرہ رہے۔ ممکن ہے کہ انسان ان واقعات کو جو ابن اللہ یسوع کی نسبت کلام الہی میں درج ہیں ماننا ہو اور پھر بھی انجیلی ایمان سے نا بلند ہو۔ الہامی مصنفوں نے جب بھی خداوند یسوع مسیح کی زندگی کی بابت کچھ لکھا تو وہ محض اس غرض سے لکھا کہ وہ عمدہ تعلیمات جو ان واقعات سے نکلتی ہیں ہمارے دلوں میں نقش کریں۔ چنانچہ اگر صرف ان واقعات پر لحاظ کیا جائے اور ان تعلیمات کو جو ان سے نکلتی ہیں جدا کر دیا جائے تو وہ ایسے ہیں جیسے بدن بغیر روح کے ہو جس سے نہ کوئی تاثیر نکلتی ہے نہ کچھ فائدہ ہوتا ہے۔ اگر انسان کا دل گناہ کی بد حالی اور خداوند یسوع کی ذات اور افعال سے کہ وہ ہوا اور جی اٹھا موثر نہ ہو تو وہ ہزار بار مانا کرے کہ ایک شخص یسوع نامے تھا مارا گیا اور پھر جی اٹھا اور جی اٹھنے کے بعد بہت لوگوں کو دکھائی دیا اور جیسے ہزار ہا ہزار لوگ گواہی دے رہے ہیں۔ تو بھی اس کا دل اور ایمان مردہ سا ہے اور مردہ سا رہے گا۔

یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی نہ صرف انجیلی واقعات کو مانا کرے بلکہ اس دین کو جو انجیل سے نکلتا ہے فلسوفانہ صداقتوں کے لحاظ سے بھی درست اور راست سمجھا کرے تو بھی انجیلی ایمان اس میں نہ ہو جو نجات ابدی کے واسطے لازمی بات ہے۔ ممکن ہے کہ ایک شخص

مسیحی کے فلاسفی اور دوسرا اس کی تعلیمات پر غور کرے اور ان دونوں کے دل یکساں بے ایمان رہیں۔ مثلاً بائبل کی نظم ایسی لاثانی نظم ہے کہ فصاحت و بلاغت و شیریں کلامی و جوش و ہندگی میں کوئی اور نظم خواہ کسی زبان کی کیوں نہ ہو اس کی برابری کر نہیں سکتی۔ پر اس نظم کو پڑھ کے اگر کسی کے دل میں انجیل کا ایمان نہ ہو تو جیسے کالیداس یا ذوق یا غالب کے شعرا شعرا کا اثر ہوتا ہے ویسا ہی الہی نظموں کا اثر اس کی نظر میں ہوگا۔ الہی محبت اور عدل کا خیال جو خداوند یسوع کی تصلیب پر غور کرنے سے دل میں پیدا ہوتا ہے اس کے سیاہ دل میں اثر نہیں کرتا ورنہ ضرور شک و گزاری جو حسی غم اور محبت پیدا کر دیتا۔ ایسا شخص جب الہی محبت کا مطالعہ کرتا یا سنتا ہے تو بھول جاتا ہے کہ وہ ابدیت کے کنارے پر کھڑا ہے اور اس کلام سے جو اب اس کے سامنے ہے آخری دن اس کا انصاف کیا جائیگا اور وہ سزا کے لائق قرار دیا جائیگا۔ کیونکہ اس کے دل میں نہ تو خدا کی محبت ہے اور نہ حقیقی اور اکیسے نجات دہندہ خداوند یسوع کے رحم کا کچھ اثر ہے۔ خواہ وہ بائبل کو کیا ہی کیوں خیال نہ کرے ظاہر ہے کہ خدا کے فضل کی آمد کا وسیلہ اس کے اس کو نہیں مانتا۔ بائبل کو وہ محض عالمانہ مذاق سے پڑھتا ہے نہ اس شخص کی طرح جو اپنے گناہ کی حالت اور سزا کے فتویٰ سے واقف ہو کہ اس حکمنامہ کو پڑھے جس میں اس کی معافی جہودی اور خوشحالی کا ذکر ہے۔

(۳) یہ خیال کرنا بھی جائز نہیں ہے کہ ہم ایمان لانے کو اس حال ملتوی کر سکتے ہیں

ہیں خیال کہ شاید آئندہ کسی وقت ہم کو ایمان حاصل کرنیکی لیاقت یا موقعہ حاصل ہو جائیگا۔ ہر ایک شخص پر عین فرض ہے کہ صلح کے پیغام کو اسی وقت اور اسی لمحہ قبول کرے۔ وہ خدا جس کے ہاتھ میں ہمارا دم ہے حکم فرماتا ہے کہ ہر ایک فرد بلا استثنا اور بلا توقف ہی خداوند یسوع پر ایمان لائے۔ عہد انجیل کا سب سے پہلا اور بھاری حکم یہ ہے کہ ہم اس پر ایمان لائیں جسے خدا نے بھیجا ہے۔ ۱۔ یوحنا ۳: ۳۳۔ اس حکم کے قبول کرنیکا سبب اظہارِ شمس ہے۔ کیونکہ جن چیزوں کی اطاعت کا ہم کو حکم ملا ہے وہ سب کے سب بلاشبہ حق اور ہمارے بچہ فائدہ کی ہیں۔ کیونکہ انکے ثبوت میں خود خدا کے قدوس کا بیان اور گواہی موجود ہے اسلئے کہ اسکی صداقت میں عظمت اور عزت کا علاقہ اور ہماری ابدیت کا رشتہ ہے۔ اگر ہم تسلیم نہ کر کے خدا کی گواہی کو قبول کر لیں اور اس پر جسے اُسے بھیجا ہے یعنی خداوند یسوع پر جو اکیلا اور سچا منجی ہے ایمان لائیں تو بچ جائیگے ورنہ مرینگے۔ نجات کے لئے جو کچھ درکار تھا وہ حقیقت میں خدا کے مجسم کے اعمال اور ان دکھوں سے جو اس نے ہماری خاطر کئے اور برداشت کئے پورا ہو چکا ہے۔ گویا نجات کا کام کی پوری تکمیل ہو چکی ہے۔ کفارہ کی قربانی گذر چکی ہے اور قبول ہو چکی ہے۔ فضل کی منادوی ہم تک پہنچ چکی ہے بلکہ ہم سے ایک گونہ منت بھی کی جاتی ہے کہ اُس دیانت کی بات کو جو ہمارے فی الفور اور دل سے قبول کرنے کے لائق ہے قبول کر لیں۔ یہ تو سچ ہے کہ انسان اُس شہادت کو جو خود اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنے اکلوتے بیٹے خداوند یسوع

کے حق میں دی کہ وہی اکیلا نجات دہندہ ہے قبول نہیں کرتا اور اپنے گناہوں کی معافی اور ابدی زندگی کی واسطے اسکی منت نہیں کرتا۔ جب تک کہ اپنے گناہ اور بدچال سے بخوبی واقف نہ ہو جائے۔ پر اگر ایسے بھاری اور ضروری امر کی نسبت انسان غفلت یا بے پرواہی یا توقف کرے تو بیشک قصور وار اور بھاری قصور وار ہو گا پس کوئی انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں معذور ہوں کیونکہ مجھ کو یہ بھاری کام کرنے کا موقعہ اور لیاقت حاصل نہیں ہے حقیقت میں نالیاقتی دل کی حالت پر موقوف ہوا کرتی ہے اور دل کی حالت دل کے میلان اور رغبت پر۔ اگر کسی کے دل میں خدا کی بات قبول کر لینے کی رغبت نہیں ہے تو اس کا عدم بھی بذات خود ایک بھاری گناہ ہے۔ ایک صورت سے تو یہ کہنا درست ہے کہ کوئی شخص خداوند یسوع کے پاس نہیں آسکتا جب تک کہ پاک رُوح اُس پر اثر نہ کرے پر یہ یاد رہے کہ دل کی مردہ حالت صرف اسی شخص کی ہوتی ہے جو رُوح کی تلاش میں غافل رہتا ہے اور اس کی جستجو میں لاپرواہ۔ پس اُن اشخاص کی کیا حالت ہوگی جو بے ایمانی کی حالت میں یوں عذر کیا کرتے ہیں درحالیکہ فضل کے تحت کے حضور جہاں سے کبھی کوئی متحجی خالی ہاتھ نہیں لوٹا جاتا بھی نہیں اور استدعا بھی نہیں کرتے۔ حالانکہ خود خدا کا وعدہ ہے کہ وہ انکو پاک و حلی وہ تاثیر اور مدد دے گا جس کے بغیر وہ بے ایمانی میں رہتے ہیں۔ پس اسی بے ایمان گنہگار زندگی کی راہ ہوتے ہوئے تو

کیوں مرنے پر۔ تو کیوں خدا کے وعدہ کو نہیں بھٹاتا اور خدا کی وعدہ وفا کیوں کر یوں یقین نہیں کرتا اور ایمان کے وسیلہ بلا توقف مسیح خداوند کے پاس کیوں نہیں آتا کہ توبہ جائے۔ کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ وہ ناراستوں کے لئے مولا اور ناراستوں کو معاف کرتا اور بچاتا ہے۔ اسکی راستبازی اور کفارہ اس کی محبت اور وعدہ پر بھروسہ رکھو وہ تجھے بھی بچائے گا اور کوئی ڈر تجھے نہ ہوگا۔ صرف یہی ایک وسیلہ ہے جس سے کہ تو اپنی بد حالی اور سزا کے فتویٰ سے رہائی پاسکتا ہے پس میں مثبت کرتا ہوں کہ ایک لمحہ بھی ضائع نہ کر۔ خداوند یسوع پر ایمان لائے تو نجات پائے گا۔ اعمال ۱۶: ۳۱۔

(۴) چاہئے کہ مسیحی شخص ایمان کی کمی پر اکتفا نہ کرے بلکہ ایمان کی تکمیل اور دوامی استعمال کو اپنا مدعا بنائے۔ چنانچہ ابراہام کی نسبت جو ایک گونہ سارے ایمانداروں کا باپ ہے اعزازی طور پر یوں ذکر کیا گیا ہے کہ وہ سست اعتقاد نہ تھا بلکہ اعتقاد میں مضبوط ہو کر اُسے خدا کی بزرگی کی۔ رومیوں ۴: ۱۹-۲۰۔ ربنا یسوع کی زبان مبارک سے کبھی اور کسی موقع پر ایسے خوشی و حرمی کے کلمے نہیں نکلے جیسے کہ اسوقت کہ اُسے کسی شخص میں ایمان کو دیکھا۔ ایمان کی مضبوطی سے نہ صرف خوشی اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ جسکی سچ کو اشد ضرورت ہے بلکہ اس سے خدا تعالیٰ کی

حاشیہ: مسیحی دین کا انچل اصول ہے کہ یہ مومنوں کو خوش کرتا ہے۔ یہ ایک عالی فضیلت ہے جو صرف اسی الہی دین کو حاصل ہے۔ وہ مذہب کہاں ہے

عزت اور جلال بھی ظاہر ہوتا ہے۔ اگر ایمان خوشی اور الہی پاکیزگی کے حصول کا چشم بقیہ حاشیہ: جو اپنے پیروں کو نہ صرف گناہوں کی معافی بلکہ الہی رضامندی کی خبر دیتا ہے جو گنہگاروں کو بتاتا ہے کہ وہ نہ صرف گناہ کی سزا سے بچ گئے بلکہ الہی شہودی اور رضا کو حاصل کر کے الہی قربت اور وصال کے لائق بن گئے ہیں۔ زندگی کیا ہے اگر دل کو خوشی نہ ہو۔ وہ زندگی جو ناامیدی اور اضطراب اور بے یقینی کے عالم میں بسر ہو مجتہد زندگی ہے جس سے موت اور ہلاکت ہزار ہا ہزار بار بہتر اور برتر ہے۔ مسیحی دین مومن کے دل پر الہی فضل کی روشنی چمکاتا ہے اور امید کی صحت بخش گرمی گنہگار کے مردہ دل میں پھر سے لے آتا ہے۔ اور اسے ایسا کرتا ہے کہ دنیا میں ہو کے دنیا کا نہیں رہتا بلکہ مصیبت۔ دکھ اور موت میں بھی خوش رکھتا اور خوشی بخشتا ہے۔ دنیاوی حالت خواہ کیسی ہی بُری یا بیعزتی کی کیوں نہ ہو مومن دل میں وہ الہی اطمینان لے رہتا ہے جو تمام فہم سے باہر ہے اور جسے دنیا کی حکومت بریاست۔ اقتدار ظلم و فساد۔ بی عزتی۔ رسوائی۔ محتاجی یا اور کوئی چیز سرگز اس سے جدا نہیں کر سکتی۔ پس وہ ہر حال خوش رہتا ہے مصیبت میں بھی خوش اور تکلیف میں بھی خوش۔ ہر حال ہر جگہ ہر وقت اُس کے دل میں شائستگی رہتی ہے خدا میں اور اُس کے

دل میں نہ پیدا کرے تو صاف ظاہر ہے کہ ایسے ایمان سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا کہ وہ ناخالص اور جھوٹا ایمان ہو۔ پس اگر انسان چاہے کہ اُس کا نہ صرف عاقبت کا بھلا ہو بلکہ اُسکی یہ چیز وزہ دکھ کی زندگی بھی خوشی اور فائدہ مندی سے صرف ہو تو چاہئے کہ خاص طور پر دعا اور مناجات کرے کہ خداوند یسوع کے ایمان میں زندگی کاٹے اور خدا باپ سے پاک رُوح کی تاثیر کا مستحق ہو۔

بقیہ حاشیہ چہرہ کی تہی میں وہ دن رات گمن رہتا ہے حتیٰ کہ اگر سب سے بھاری نقصان یا تکلیف بھی کیوں نہ ہو وہ اُس حالت میں بھی خدا میں خوش اور مطمئن رہتا ہے۔ آفتوں کے طوفان۔ دکھوں کی اندھی۔ نقصانوں کے جھوکے اُسکی ولی اطمینان کو ذرہ بھی جنبش نہیں دیکھتے۔ بلکہ جسے لوگ بڑی تکلیف کہتے ہیں وہ اُس کو الہی غیر محدود و نامائی اور محبت کا کام معلوم ہوتا ہے۔ غرض کہ یہ کتنا کچھ مبالغہ نہیں ہے کہ وہ پورا اور کامل خوش رہتا ہے۔ کیونکہ گونا گویں دکھ اُسکی بیرونی حالات کو خواہ کیسا ہی مبدل نہ کر دے ولی اطمینان کسی صورت اُس سے جا نہیں سکتا۔

ایم حنیف

فصل چہارم

ایمان کا عمل۔ اب۔ ابن رُوح القدس الہ واحد

میں ایمان رکھتا ہوں
خدا قادر مطلق باپ پر جو آسمان اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے

اور
اُسکے اکلوتے بیٹے ہمارے خداوند یسوع مسیح پر جو رُوح القدس سے پیٹ میں پرا کبوتری مریم سے پیدا ہوا۔ نیطوس پلاطوس کی حکومت میں دکھ اٹھایا۔ صلیب پر کھینچا گیا مر گیا اور دفن ہوا اور عالم ارواح میں جا اتر اسی سے دن مردوں میں سے جی اٹھا۔ آسمان پر چڑھ گیا اور خدا باپ قادر مطلق کے دستے ہاتھ بٹھا ہے۔ جہاں سے وہ زندوں اور مردوں کا انصاف کرنے کو آویگا۔

اور
میں اعتقاد رکھتا ہوں رُوح قدس پر پاک کلیسیائے جامع پر مقدسوں کی رفاقت گناہوں کی معافی جسم کے جی اٹھنے اور حیات ابدی پر۔ آمین +

شکر صد شکر ہے خدا کے بزرگ واحد اور حقیقی مالک اور خالق کا جس نے ہم کو طرح طرح سے اور بار بار اپنے نبیوں اور رسولوں کی معرفت یہ بتایا ہے کہ ہمارا ایمان کا آغاز اور انجام ہمارا خداوند یسوع مسیح ابن اللہ ہے۔ یہ ایک ایسا بھاری مضمون ہے کہ جس پر اپنے خیال اور تجربہ بیان کرنے کے لئے ایک دفتر لکھنا چاہئے ایمان حقیقی کا خدا کے واحد لا شریک نہ ہونا چاہئے جیسا کہ رسولوں کے مندرجہ بالا عقیدہ میں مندرج ہے یعنی کہ ہم ایمان لائیں کہ خدا باپ بیٹا اور روح القدس تین اقانیم اور ایک خدا واحد لا شریک ہے خدا کی ذات بركات میں وہ صفات حمیدہ میں جن کا ذکر اسے اپنے کلام مبارک میں فرمایا ہے یعنی کہ خدا ازلی اور ابدی ہے۔ قادر مطلق۔ ہمدان حاضر و ناظر (احتدیل۔ لا محدود۔ اجزوال۔ کافی وافی۔ قدس جہیم اور عادل ہے۔ اس نے کل موجودات اور کائنات کو خلق کیا وہ ہمارا مالک ہمارا نگہبان اور حافظ و ناصر ہے۔ اور کہ خدا کے قدوس کا ازلی بیٹا خداوند یسوع مسیح ہے جو سب عالموں سے پہلے باپ سے متولد ہوا اور وہ خلقت کا مبداء ہے۔ اس نے سارے عالم خلق کے وہ طرح طرح سے قدیم ایام میں اپنے بندوں پر ظاہر ہوا اور آخری زمانہ میں بدیں غرض کہ اپنے ظہور کے غرض کی تکمیل کر کے صریح عقیقہ سے پیدا ہوا۔ انسان کے جسم میں ہو کے انسان کے بدلے اس شریعت کو جسے انسان نے توڑا تھا پورا کیا۔ اور گناہوں کی معافی کی راہ کھولنے کے لئے مصلوب ہوا

کہ انسان کا کفارہ ہو اور عدل و حکمی اور بغاوت کی سزا جو انسان کا واجب بدلہ ہے اس سے بڑا کہ خدا کی خوشنودی اور میل اس کو حاصل کرے۔ موت کے بعد قبر اور موت پر فتح پائی۔ اور اب عالم بالا میں ممتاز ہو کے اپنے باپ خدا کے دہے ہاتھ سلطنت کرتا ہے۔ ساری چیزوں کا اختیار اس کے سپرد ہے وہ دنیا میں پھر لوٹ کے آنے والا ہے کہ انصاف کا کام پورا کرے۔ اور روح القدس بھی ہے جو باپ اور بیٹے سے نکلتی ہے۔ وہی گنہگاروں کو گناہ سے قائل کرتی ہے۔ اسی کی تاثیر سے دل میں توبہ پیدا ہوتی ہے۔ وہی ایمان تقسیم پیدا کرتی ہے۔ غرض کہ دلوں کو تبدیل کرنا خاص اسی کا کام ہے یعنی یہ کہ روح القدس ہی گنہگار میں سے بدل نکالتی ہے اور اس کی جگہ گشتیں اور فرمانبردار دل عطا کرتی ہے اور وہی سر نو پیدا کرتی ہے پس ایمان لانا چاہئے کہ یہ باتیں سچ اور حق ہیں اور ان عمدہ تاثیرات کو جو زندہ ایمان سے برآمد ہوتی ہیں خود میں موثر ہونے دینا بڑی ضروری بات ہے *

حاصل کلام ضرور ہے کہ یہ ایمان خدا کی ذات و صفات پر ہو جس کا خلاصہ چند الفاظ میں یوں بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ جل جلالہ عم نوالہ لمجاظ ذات و صفات وہی ہے جو وہ اپنے آپ کو کہتا ہے۔ پھر خاص طور پر ضرور ہے کہ اس وسیلہ پر جو خدا کے جل شانہ نے انسان کی گشتگی کے بعد اپنے سے صلح اور میل کرنے کا مقرر کیا ہے خاص طور پر ایمان ہو۔ اس طریقہ کا بیان جس سے ہم خدا کے پاک سے ملاپ کر سکتے ہیں خدا کے

بزرگ واحد کے مبارک اور پاک کلام خصوصاً انجیل حلیل میں مسدج ہے۔ یہی وہی راہ ہے جس پر خدا کے برگزیدے اور پیارے ربنا یسوع کے دنیا میں مجسم ہونے سے پہلے چلا کرتے تھے یہی وہی راہ ہے جس پر چلے انہوں نے خدا کو پایا اور یہی وہی راہ ہے جو اب آخری زمانہ میں خداوند یسوع کے فضل اور کام سے مکمل ہو کے پورے طور پر کشف ہوا ہے۔ کہ ہر فرد بشر اس پر آسانی سے قدم مار سکے اور کسی کے لئے کوئی حجت یا حیلہ باقی نہ رہے۔ یہی تو ضرور ہے کہ خدا پر اور خدا کی صفات پر ایمان ہو یہ بھی ویسا ہی ضرور ہے کہ اس بند و لبست پر اور اس کام پر بھی ایمان ہو جو خدا نے کیا ہے کہ ہم باغی لوگ پھر اس کے ساتھ صلح کریں کیونکہ ظاہر ہے کہ جو شخص کہتا ہے کہ خدا ایسا ہے اور ایسا ہے اور اس کے ایسا ایسا ہونے کو اپنا ایمان بتاتا ہے اور پھر بھی نہیں دیکھتا اور نہیں مانتا کہ اُس نے کیا کیا کچھ کیا ہے تو ایسا شخص خدا کا ایمان مستقیم سے بے بہرہ ہے مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ میں ایمان رکھتا ہوں کہ خدا محبت کا چشمہ اور فضل کا منبع ہے اور تو بھی اُسکی محبت اور فضل کے کام کو جو اُس نے اُسکی ابدی بہبودی اور حیات کی واسطے کیا ہے نہیں مانتا تو کوئی کہہ سکتا ہے کہ خدا کی محبت اور فضل پر اُسکا پورا ایمان ہو سکتا ہے کیونکہ صفت کو ماننا اور صفت سے جو کام نکلتا ہے اُسکو نہ ماننا ایک ایسی بات ہے جیسے کسی کو بیمار ماننا اور اُسکی بیماری سے انکار کرنا یا کسی کے حسن کو تسلیم کرنا اور یہ نہ ماننا کہ اُسکا حسن کچھ قدر رکھتا ہے۔ پس حقیقی ایمان کی یہی ایک صفت

ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ کے اُن افعال کو بھی جو اُن صفات حمیدہ سے نکلے ہوں بخوبی تسلیم کرتا ہے اور دلیلیں جگہ دیتا ہے پس مسلم ایمان کی واسطے ضرور ہے کہ ہم نہ صرف خدا کی ذات پر یا اسکی صفات پر بلکہ اُسکے کاموں پر بھی ایمان رکھیں جب ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے تو ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ماننا چاہئے کہ سارے عالم اُس سے بنائے گئے۔ اور کائنات و موجودات میں سے کوئی ایسی شے نہیں ہے جو اُسکے ہاتھ کی کارگیری اور اسکی خلقت نہیں ہے۔ پھر جب ہم ایمان لائیں کہ خدا غیر محدود ہے تو ساتھ ہی اُسکی ہمہ جا حاضری کو بھی تسلیم کرنا ضرور ہے۔ یا جب ہم کہیں کہ خدا قادر مطلق ہے تو چاہئے کہ اُن عجیب کاموں کو بھی جو اسکی قدرت مطلق سے نکلے ہوں تسلیم کریں۔ اسی طرح پر ہم مانتے ہیں کہ خدا محبت ہے تو اُسکا ہم کو بھی ماننا ضرور ہے جو اُس نے محبت کے سبب کیا ہے۔

کل کلام الہی یعنی پیدائش کی کتاب سے لیکر مکاشفات تک محض صلح اور محبت کے پیغام کی خبر ہے یعنی یہ کہ خدا نے جہاں کو اپنی طرف سے ایک ہی محبت کا پیغام بھیجا ہے اور گنہگاروں سے صلح کر لینی ایک راہ نکالی ہے۔

ہم سچی لوگ اس راہ سے واقف ہیں اور جانتے ہیں کہ کیسی محبت اور نہرانی سے یہ ہوا کہ خدا نے جہاں کو ایسا پیا کر لیا کہ اُس نے اپنا اکلوتا بیٹا بخشا کہ جو کوئی اُس پر ایمان لائے وہ لا محالہ نہ ہو بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے۔ یوحنا ۳: ۱۶۔

یہ مسیحی دین کا خلاصہ اور عطر چند حروف میں ہے جس نے یہ مانا اُس نے سب کچھ مان لیا۔ کیونکہ اس میں سب کچھ موجود ہے۔ اول خدا کی ہستی پر ایمان کیونکہ یہ کہنا کہ خدا ذلیل کیا یہ معنی رکھتا ہے کہ خدا ہی جو پیار کرتا ہے۔ دوم یہ اسکی ساری ممتاز صفات میں سے یعنی صحبت اور قد و سیئت کا ذکر ہے یعنی کہ خدا ایسا قدوس ہے کہ اُس نے گناہ کی سزا کی خاطر اپنے ابن وحید کو جو اُسے ساری موجودات سے زیادہ پیارا تھا موت کے حوالہ کیا۔ اس غرض سے کہ اُسکی محبت کا اظہار ہو محبت ہی ہمارے لئے اہی صفات میں سب سے بھاری اور فائدہ مند صفت ہے کہ یہ کہنا کہ خدا نے جہاں کو خلق کیا۔ جہاں کو پالا اور سنبھالا وغیرہ سچ تو ہے پر گنہگاروں کے ایسا مفید حال نہیں ہے جیسے یہ لفظ کہ خدا فی جہان کو پیار کیا۔ سوم ابن اللہ کا ذکر ہے کہ وہ ہم کو دیا گیا۔ یعنی کہ خدا کی محبت کی غایت یہ ہوئی کہ اُسے اپنے ابن وحید کو بخش دیا۔ اگر اللہ تعالیٰ ہم کو دولت یا عزت یا طاقت وغیرہ کثرت سے دیتا اور یہ بھاری اور بیش قیمت انعام نہ دیتا جو سچ خداوند ہے تو ہمارا حال ویسا ہوتا جیسا اُس بھوکے کا جسکے پاس سونا روپا اور جو اسرات و شہادتیں اور پیٹ میں ڈالنے کو کچھ نہیں اور جو آخر بھوکوں مر گیا۔ یا اس شخص جیسا جو بے نہایت دولت اور عزت اور تزک و شان میں ہو جس کے سر پر ہلاکت کی تلوار لٹک رہی ہو کہ انا فانا اُس کا کام تمام کرے۔ چارم اس میں انسان کی برکتگی کا اور گنہگاری کا حال مذکور ہے اور اُس سے جو ہلاکت نکلتی ہے اُس کا بھی بیان ہے کہ

انسان ہلاکت نہ ہو یعنی یہ کہ انسان جو اپنے گناہوں کے سبب اس لائق ہے کہ ہلاک ہو اُسے ہلاکت سے بچانیکے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک راہ نکالی ہے اور وہ راہ اُس کے محبت کے انعام یعنی اُسکے ابن وحید سے ہے جسے اُس نے بخش دیا چہم اس میں آخری اور ابدی نجات کا وعدہ یہی لکھا ہے یعنی یہ کہ جو کوئی خداوند یسوع کو دل سے قبول کرتا ہے ابدی ہلاکت اور عذاب سے رہائی پاتا ہے جسکو نجات کہتے ہیں، غرض کہ جو کوئی اس آیت کی صداقت پر ایمان لاتا ہے گویا وہ سب کچھ تسلیم کرتا ہے جو اُسکے لئے لازمی اور ضروری ہے یعنی یہ کہ خدا ہی خدا ہم سے پیار کرتا ہے ہم گنہگار ضرور ہلاکت کی لائق ہیں خدا کا ابن وحید ہے ہم کو ہلاکت سے بچانیکو خدا فی اینا ابن وحید بخش دیا۔ اسپر ایمان لا کا چاہی۔ تب ہم نہ صرف ہلاکت سے بچتے ہیں بلکہ اسی ابن وحید کی بدولت ہمیشہ کی زندگی کی واد بھی بن جاتی ہیں۔ یہ مسیحی دین کا لب لباب ہے اور ظاہر ہے کہ انسان کے فائدہ کیو سٹے جو کچھ ضروری ہو اُس میں موجود ہے اس خوبی سے کہ جاہل سے جاہل اور عالم سے عالم اسے ٹیکساں سمجھ سکیں۔ اسلئے کہ جیسا ضروری ہے کہ پڑھا لکھا آدمی خدا پر ایسا ایمان رکھے اور ایمان کے وسیلے سچ جائے ویسا ہی جاہل ان پڑھ آدمی کے لئے بھی ضروری ہے کہ یہ بچانے والا ایمان دل میں رکھے جس کے بغیر کوئی نجات نہیں پاسکتا + مسیحی دین کا دعویٰ اور خوبی یہ ہے کہ جو کچھ انسان کے حقیقی اور اصلی فائدہ

کے لئے ضروری ہے وہ سب کچھ اس دین میں موجود ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب خواہ فرداً فرداً یا اجتماعاً اس بات میں سچی دین کی برابری نہیں کر سکتے۔ یہ تو سچ ہے کہ اخلاقی اصول اور بعض عمدہ تعلیمات ہر ایک مروجہ مذہب میں موجود ہیں پر کوئی ایسا مذہب نہیں ہے جس میں وہ سب کچھ پایا جائے جو ہمارے خاص فائدہ کا ہو اور جو سچی دین میں موجود ہے۔ بلکہ اس الہی دین میں یہ افضلیت ہے کہ اس میں نہ صرف وہ ساری اخلاقی تعلیمات ہیں جو دنیا بھر کے تمام مذاہب سے حاصل ہو سکتی ہیں بلکہ اس میں ان سے بڑھ کر اور بہت کچھ زیادہ بھی ہے۔

ظاہر ہے کہ دین ماننے کی ضرورت اس لئے ہے خواہ اس دین کا نام کیا ہی ہو کہ گزشتہ انسان اپنی بغاوت کی سزا سے بچ جائے اور حقیقی خالق کے ساتھ اس کا ملاپ ہو جائے۔ اکثر مذاہب مروجہ اس بھاری کام کو کر نیکی راہ بتاتے ہیں پر ہم جانتے ہیں کہ باوجود انہی ساری کوششوں اور خوبیوں کے پھر بھی ناکامیاب کے ناکامیاب ہی رہتے ہیں۔ پر یہ الہی دین اوروں کی طرح محض امید ہی امید میں نہیں ٹالتا یا کوئی ایسی ویسی لچری بات کہے چکا نہیں کرتا بلکہ کامیاب کرتا ہے اور اس کامیابی کو مومنوں کے تجربہ میں بتا دیتا ہے۔

مسیحی دین کی تعلیمات کافی بلکہ کافی ہیں۔ اسکی ہدایات تعلیمات تلقینات کامل مکمل بلکہ اکمل ہیں۔ یہ ہم کو صاف صریح عبارت میں جسکی خوبی یہ ہے کہ ایک کل کا

اول۔ ایمان کے مدعا کی نسبت مسیحی دین ہم کو سکھاتا ہے کہ۔
 اولاً خدا ہے۔ اور صرف ہستی خدا بتا کے ہم کو اندھیرے میں نہیں چھوڑ دیتا کہ ٹکرس بارا کریں بلکہ صاف اور واضح طور پر بتاتا ہے کہ خدا کیا ہے اور کیسا ہے۔ کہ ہم کو اسکی نسبت کیسے خیال رکھنے چاہئیں مسیحی دین گویا آسمانی صداقتوں کے آفتاب کی شعاعوں کا ایک مجموعہ ہے جس میں نہ صرف فطرتی دین کی جس کا دوسرا مشہور نام نیچرل ریلیجن ہے اور صندلی سکی معلومات دریافت ہو سکتی ہیں بلکہ عجیب و غریب طور سے نیچرل ریلیجن

کی کمی کو پورا۔ اس کی غلطیوں کی اصلاح کرنا اور اس کی تاریکی پر روشنی ڈالنا ہے۔ یہ کہنا کچھ مبالغہ نہیں ہے کہ جو صدائیں اور خوشنہیں نیچرل ریلیجن میں موجود ہیں وہ سب مسیحی دین میں اور بھی زیادتی خوش اسلوبی اور صفائی کے ساتھ پائی جاتی ہیں بلکہ جہاں فطرتی دین ہم کو کچھ نہیں بتاتا اور حیران و سرگرداں کر دیتا ہے وہاں مسیحی دین آکے ہاتھ پکڑتا ہے اور بد کرتا ہے اور اسی صدائوں کو مٹا دیتا ہے اور جلوہ گر کر کے بڑے صاف طور پر دکھاتا ہے۔ گویا مسیحی دین نیچری دین کی بڑی اعلیٰ درجہ کی تکمیل ہے۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ نیچری مذہب کے خلاف کچھ مسیحی دین میں پایا جاتا ہے یا اور یہی کون کہہ سکتا ہے کہ جو صدائیں اور خوشنہیں نیچری دین میں ہیں ان میں سے کوئی مسیحی دین میں موجود نہیں ہے۔ بلکہ ہم مسیحی لوگ یہ دعویٰ کرتے اور تباہ کر سکتے ہیں کہ جہاں نیچرل ریلیجن ٹھہر جاتا ہے اور کہتا ہے کہ اس سے بڑے جانا میرے لئے ناممکن ہے وہاں مسیحی دین کہتا ہے کہ آ اور دیکھ میں تیرا ہادی ہوتا ہوں اور میں تجھے بتاتا ہوں کیونکہ میرا کام ہے کہ وہ باتیں دکھاؤں جنکو آنکھ نے نہیں دیکھا کان نے نہیں سنا اور دل نے خیال نہیں کیا

Rev Michael Joseph. Cell # 92 300 7233 854.
yescaljesus@gmail.com yesmicheal@yahoo.co.uk
Evenglist Yousaf Masih. Cell # 92 300 7233 853.

اپنی قزموں ۹:۲ یعنی ایسی باتیں جنکو ہماری محدود عقل سرگز دریافت نہیں کر سکتی۔ اور پھر بھی انکا جاننا اور ماننا بہت ہی ضروری ہے فی الجملہ جہاں نیچرل ریلیجن ہم کو نہیں لیجاتا اور تو بھی وہاں جانا ہمارے لئے ضروری ہے وہاں یہ الہامی دین یعنی مسیحی دین ہم کو لیجاتا اور ہماری سہمائی کرتا ہے۔

ثانیاً۔ خدا کی ذات و صفات کا جو عمدہ بیان مسیحی دین کرتا ہے وہ اور کسی جگہ نہیں پایا جاتا مسیحی دین کے منجانب اللہ ہونے کا یہ ایک بہت بڑا بھاری ثبوت ہے کہ یہ اپنے بیانات اور شریحات سے ایسا ظاہر کرتا ہے کہ خدا سے بخوبی واقف ہے اور خدا کی نسبت ایسی باتیں بتاتا ہے جو محض عقل سے یا نیچر سے کبھی دریافت نہیں ہو سکتیں چنانچہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیحی دین اللہ کا دین ہے کیونکہ اور دین انسان سے نکلنے کی طرف جانیکی کوشتش کرتے ہیں پر یہ دین اللہ سے نکلنے انسان کے پاس آتا ہے۔

حاشیہ: پادری مولوی عطاء الدین صاحب لاہور ڈی ڈی چرچ مشن امرت سرنے رسالہ تنقید الخیالات میں نیچرل ریلیجن اور اسکی کمیوں اور غلطیوں کا خوب اظہار کیا ہے ہم ناظرین کو اسکے مطالعہ کی صلاح دیتے ہیں۔
ایم حنیف

خدا کی صفات کا پورا بیان کرنا جو بھی دین بتاتا ہے مشکل ہے۔ خلاصہ کے طور پر یہ کافی ہے کہ یہ ہم کو بتاتا ہے کہ وہ انہی ہے۔ لا خدیل ہے۔ قادر مطلق ہے۔ ہمہ جاحل ہے۔ عالم الغیب ہے۔ قدس ہے۔ عادل ہے۔ صادق القول اور راست ہے۔ فضل صہبانی اور محبت میں بیگانہ ہے۔ سب چیزوں کا حاکم ہے۔ دلوں اور گروں کا جاننے والا ہے۔ حافظ و ناصر ہے وغیرہ +

ثالثاً۔ مسیحی دین ہم کو انسان کی موجودہ حالت اور گتگی کی کیفیت پورے طور پر بتاتا ہے کہ انسان کیا تھا اور اب کیا ہے اور اس کا کیا سبب ہے کہ انسان اب گیا ہے اور کیا بن سکتا ہے۔ یہ ایسے امور ہیں جن عقل اور سچ کو خاموشی مطلق اور سکوت کلی اختیار کرنے کی اشد مجبوری کو تسلیم کرنا پڑتا ہے +

رابعاً۔ مسیحی دین ہم کو ہماری موجودہ حالت کا بیان کر کے رحم دینا ہے جس سے اسکی یہ مراد ہے کہ ہم اپنے زخموں سے واقف ہو کے ان پر آہی مرہم لگائیں اور بالکل صحت پائیں۔ یہ دین ہم کو اللہ سے صلح کرنے اور گناہوں کی معافی حاصل کرنا وہ عمدہ طریقہ بتاتا ہے جو اور کسی دین میں پایا نہیں جاتا۔

مسیحی دین ہی بتاتا ہے کہ خداوند یسوع مسیح کے دربیانی اور کفارہ ہونے سے ہم بچ سکتے ہیں یہ ہم کو بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو ہمارے گناہوں کے سبب ہم سے ناراض ہے مسیح خداوند کے کفارے اور استغاثہ کے سبب

ہم سے صلح کرنا چاہتا ہے۔ صرف اسی دین میں ہمارے سارے غموں اور فکر و کا انجام ہو جاتا ہے اور سارے سوالات کا جو ہم سبب ہم کرتے ہیں کافی جواب ملتا ہے۔ ہم جب اپنے گناہ اور بدی سے واقف ہو کے کہتے ہیں کہ میں کیونکر خدا کے سامنے آؤں گا۔ یا کس طرح جناب باری کے حضور جھکوں گا کیا میں سوختنی قربانی لے کے حضور جاؤں۔" میکہ ۴: ۲-۷۔ تو مسیحی دین کہتا ہے کہ یسوع کی صلیب کو دیکھ اور تیرے سارے گناہ معاف ہونگے۔ یسوع کے خون کو اپنے اوپر چھڑک اور تو خدا کو مقبول ہوگا۔ یسوع میں ہو کے تو خدا کے پاس جا کیونکہ یہی طریقہ خدا کی قربت اور وصال حاصل کرنا ہے۔ جب آدمی دکھوں میں گھبرا جاتا ہے اور اسے غم آداتا ہے اور ناچار ہو کے کہتا ہے مجھے کون رہائی دے گا تو یہی دین کہتا ہے کہ دلی تسلی اور باطنی اطمینان جھبہ سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ دنیا کے اور سارے مذاہب فرداً فرداً یا تماماً و اجمالاً تسلی دینے کے کام میں بالکل ناکامیاب رہ جاتے ہیں +

خامساً۔ مسیحی دین ابدیت اور ناویدنی دنیا کا نظارہ ہماری آنکھوں کے سامنے ایسی دھندلی کھینچتا ہے۔ اور زندگی اور بقا کو ایسے صاف طور پر بتاتا ہے کہ انسان اسے دیکھ کر عیش عیش کر جاتا ہے زمانہ سلف کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حکم قدیم باوجود اپنی لائق عقلوں اور قابل تعریف فلاسفانہ تحقیقات کے

محنت کرتے کرتے مار گئے اور ان بھاری اُمور کا اُن کو کبھی کوئی تسلی بخش جواب حاصل نہ ہوا۔ وہم اور خیال کے ڈھکوسلے مار گئے اور صداقت کبھی دریافت نہ ہوئی۔ مسیحی دین جس کا موجد یسوع ماضی سخی سجاد کا بیٹا کم علم اور جاہل والدین اور بہت کم علم والے لوگوں میں پھیلا۔ اور جس دین کے معلم محصول لینے والے ماضی گیر اور ایسے ایسے عموماً جھلٹھے، سزا و جزا کی کیفیت کو ہمارے سامنے رکھ دیتا ہے اور خواہ مخواہ ہم کو مجبور کرتا ہے کہ نیکی کی طرف رجوع کریں اور بدی سے باز آئیں۔

یہ صرف چند امور ہم بطور نمونہ بیان کرتے ہیں۔ انکے پورا بیان کر نیکی و ایک دراز بھی کفایت نہیں کرتی پس ہم دوسرے امر کا بیان کرتے ہیں۔

دوم۔ مسیحی دین ہمارے لئے کامل دستور العمل اور دستور الایمان بتاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ الہام کی غرض یہ نہیں ہوتی کہ ہمارے شوقِ حبس کو عالی مضامین اور عمدہ خیالات سے بہلائے اور ہمارے دلوں کا شوق پورا کرے بلکہ اسکی غرض خاص یہ ہے کہ ہمارے اعمال و افعال کو درست کرے اور ہم کو ہمارے موجودہ حالات میں بہتر اور پاکیزہ زندگی بسر کرنا سکھائے چنانچہ مسیحی دین بہت سے بیہودہ اور ماضی سوالات کا جواب خاموشی سے دیکر ہم کو عملی اور اخلاقی مذہب کا پورا طریقہ بتاتا ہے۔ اور مذہب کو نسا ہے جو مسیحی دین کی مانند عمدہ اخلاق اور اخلاقی تعلیمات سے معمور ہے۔ مسیحی دین میں شجرِ مذہب کے سارے

قواعد و قوانین بدرجہ اتم موجود ہیں بلکہ غایت یہ ہے کہ اس الہی دین میں کسی ایک ایسی عمدہ تعلیمات ہیں جو عقل انسانی نہ چہ کہ کمال تک پہنچ جائے کبھی یا تو دریافت ہی نہیں کر سکتی اور یا نہایت بیہودہ طور پر دریافت کرتی کہ اس دریافت سے کچھ فائدہ نہیں ہے مثلاً دشمنوں کو پیار کرنا۔ خود کو فروتن حلیم۔ اور خاکسار بنانا وغیرہ ایسے تعلیمات ہیں کہ زمانہ سلف کے اطباء نے جید کو بھی معلوم نہ تھیں۔ غرض کہ مسیحی دین میں ہمارے کل فرائض مکمل طور پر پورے ہوتے ہیں ایسا کہ کسی اور حکم احکام کی یا تعلیم و تلقین کی ذرہ بھی ضرورت نہیں رہتی۔ مسیحی دین ہم کو صاف اور عمدہ طور سے بتاتا ہے کہ ہمارے فرائض اللہ جل شانہ کی نسبت کیا ہیں۔ اپنے ہمجنسوں اور اپنی ذات کی نسبت کیا۔ مسیحی دین کی خوبی کی یہ ایک عمدہ دلیل ہے کہ ہمیں تو وہ چھوٹے چھوٹے فرائض کا مفصل بیان کرنا ہے اس غرض سے کہ شاید اپنی کم عقلی کے سبب ہم غلطی نہ کریں۔ اور ہمیں ایسی مختصر سے جملہ میں کل قواعد حکم اور قانون کا اختصار کرنا ہے کہ ہر ایک آسانی سے اُسے حفظ کرے اور نہایت آسانی کے ساتھ اُسکا اطلاق اپنے اعمال اور زندگی پر ہر وقت کر سکے چنانچہ ربنا یسوع مسیح نے کیا عمدہ خلاصہ تمام شریعت اور اخلاقی تعلیم کا ہم کو صرف چند حروف میں بتا دیا ہے کہ خداوند اپنی خدا کو اپنی سادگی سے اپنی ساری جان ہی اور اپنی ساری سادگی کو اپنی ہمنیائی کو دیا

حاشیہ

ہم ساری سے وہی لوگ مراد نہیں ہیں جو ہمارے پروس میں رہتے ہیں بلکہ کل نبی نوح انسان جو ہمارے بھائی ہیں۔ اس خیال سے کہ جس اللہ

پیار کر جیسا کہ تو آپ کو کوتاہی۔ پھر ایک اور جگہ کل انسانی فرائض کا عمدہ خلاصہ ان چند حروف میں کر دیا کہ جیسا کہ تم چاہتی ہو کہ لوگ تمہاری سائنسدانوں کی سیسا ہی تم بھی ان کی سائنسدانوں کو +

قابل تعریف یہ امر ہے کہ یہ عمدہ اختصارات جو گویا دریا بلکہ سمندر کو کورہ میں بند کرنے سے مشابہت رکھتے ہیں اس قدر صاف اور صریح ہیں کہ جاہل سے جاہل بھی آسانی سے ان کو سمجھ سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ الہامی تعلیمات کی جیسے ضرورت علما کو ہوتی ہے وہی ہی بلکہ غالباً اُس سے زیادہ جہلا کو۔ علمی لحاظ سے خواہ ان دونوں میں کیسا فرق کیوں نہ ہو ایک بات میں دونوں یکساں ہیں کہ دونوں کو اعمالِ حسنہ اور ایمانِ مستقیم کی ضرورت ہے اور سچی دین ہی اپنی کمال خوبی اور فضیلت سے دونوں کی یکساں حاجت روائی کرتا ہے۔ سچی دین مشہور مسئلہ ”بے علم نہ تواس خدا را شناخت“ کو غلط ٹھہرتا ہے اور کہتا ہے کہ عالم و بے علم یکساں عرفانِ الہی و محاببت اور تقدیس حاصل کر سکتے ہیں دنیا کے بعض مذاہب صرف علما و حکما کی واسطے ہیں انکی باریکی اور لطافت صرف عالم ہی سمجھ سکتے ہیں اور ان سے صرف وہی لوگ خطا اٹھا سکتے ہیں جو مذاقِ علمی رکھتے ہیں۔ سچی دین اپنے آپ کو جہلا تک لیجا تا ہے اور ظاہر ہے کہ جہلا کی تعداد اس دنیا میں نسبتاً عالموں سے بہت زیادہ ہے اور ان کے دلوں میں الہی مزاج اور عادات پیدا کرتا ہے چنانچہ ربنا یسوع مسیح بقیلہ حاشیلہ کے سایہ میں نہ تھے ہیں اُسی کے سایہ میں وہ بھی رہتے ہیں + ایم حنیف

کے دین میں گواہی رازاتے ہیں کہ کامل عالموں کی تدقیقات بھی ناکامیاب رہ جاتی ہے پھر بھی صاف ایسا ہے کہ ہر فرد ضروری امور میں آسانی سے واقفیت بلکہ کمال حاصل کر سکتا ہے۔ یہ کہنا کچھ مبالغہ نہیں ہے کہ ایک عام سمجھ کا آدمی سچی دین کی کتب کو دیکھ کے اپنے ایمان اور دستورِ العمل کے واسطے ایسا طریقہ نکال سکتا ہے جو عالم سے عالم شخص بغیر اس مدد کے نہیں کر سکتا۔ یہ سچی دین کا ہی طفیل ہے کہ فی زمانہ اس سے کم لیاقت کے شخص بھی اخلاقی فرائض وغیرہ میں قدما سے رحمن کو اپنی تحقیقات میں حق ریزی کرنی پڑی زیادہ ماہر ہیں۔ اس صورت سے یہ بات درست ہے کہ آسمانی بادشاہت کا سب سے چھوٹا بھی یعنی ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کا سچی سقراط۔ بقراط۔ فلاطون وغیرہ سے زیادہ بڑا ہے۔ جس طرح کمزور نظر والا شخص دن کی روشنی میں نسبتاً اس شخص کے جو تیز نظریات کی تاریکی میں ہو زیادہ دیکھ سکتا ہے۔ اُسی طرح ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ اور علم کا سچی آدمی الہی آفتابِ صداقت کی روشنی کی امداد سے زیادہ دیکھ سکتا ہے نسبتاً ان لوگوں کے جو ارجو اپنی تیز اور باریک بین عقل کی زیادتی کے پھر بھی اپنی فلاسفی کی ظلمت اور اپنے دھم کے ڈھکونسلوں میں ٹھہریں مارا گئے +

ہم اس عجیب امر کو ناظرین کتاب ہذا کے دل پر خاص طور سے منقش کرنا چاہتے کہ عجائبات و غرائب سے لبریز مسائل کو قلمبند کرنے والے وہ لوگ تھے جو چھوڑ دینے جیسے کم علم ملک کے رہنما لے اور پھر عموماً ادنیٰ درجہ کے ماہر گہرے تھے جن کو بری تعلیم تین

اور تربت حاصل نہ ہوئی تھی۔ بلکہ جوانی سادگی اور سادہ روی کے سبب جہلا کے زمرہ میں گنے جاتے ہیں۔ تعجب نہ رہے کہ پھر بھی انکی تحریر روم اور یونان اور ہند کے عالی دماغ فیلسوفوں سے زیادہ پاک اور صاف ہے جنہوں نے علمی اور عقلی ترقیات کو عالی رتبہ پہنچایا تھا۔ سچی فلاسفی۔ اخلاق فی تعلیم اور دنیاوی دستور العمل میں یہ جہل اور ادنیٰ درجہ اور عقل کے مابین گہرا فرق ہے۔ دنیا کے معلم ہو گئے۔ یہ سب خداوند یسوع مسیح کے طفیل سے ہوا جو اکیلا حقیقی اور سچا ہادی ہے۔ اسی کے الہام پاک کی بدولت ایسے ایسے کار نمایاں ظاہر ہوئے۔ مسیحی دین کے منجانب اللہ رہنے کی ایک نہایت اعلیٰ درجہ کی دلیل یہ ہے کہ اور مذہب کے موجد اپنے اپنے ملک اور زبان کے علموں میں زکیر اور بڑے ماہر تھے اور تو بھی انہوں نے کبھی بھی ایسے بالکل پاک اور

حاشیہ راقم الحروف کی یہ غرض نہیں ہے کہ کتاب ہذا میں بحث مباحثہ کے طور پر کسی خاص مذہب کی تردید کرے یا اس کے بانی اور موجد کی بدی اور نقص کو ظاہر کرے۔ تو بھی یہاں اس میں مشہور مسئلہ کی طرف اشارہ کرنا کہ بنی عرب امی تھے بجا نہیں ہے۔ اس بے بنیاد مسئلہ کو علماء متقدمین و متاخرین نے بالکل غلط ثابت کر دیا ہے اور کچھ بھی ضرورت نہیں ہے کہ بار بار طرشد مسئلہ پر پھر سے کچھ لکھا جائے۔ راقم نے اس مسئلہ کو بڑے غور اور انصاف سے دیکھا اور بلا تعصب فیہی کہتا ہے کہ اس کو اس نے غلط پایا۔ ایم حنیف

روحانی تعلیم نہ دی جیسا کہ مسیحی دین کے پیشواؤں نے جو عموماً جاہل اور کم علم تھے۔ چنانچہ ملحد اور کافر لوگ اگر کوئی اعتراض مسیحی دین کی نسبت پیش کرتے ہیں تو یہ ہے کہ مسیحی دین اتنا زیادہ خوب اور پاک اور روحانی تعلیمات سے پر ہے کہ خاکی انسان کو اس دنیا میں اسکے موافق عمدہ اور روحانی زندگی بسر کرنا مشکل ہے یعنی یہ کہ ان لوگوں کو مسیحی دین کی لاثانی فضائل سے تو مطلق انکار نہیں ہے اگر اعتراض ہے تو یہ ہے کہ اس فانی اور خاکی جسم میں رکے اسکے عمدہ احکامات اور تعلیمات کی پوری تعمیل نہیں ہو سکتی۔

سوم۔ مسیحی دین کا ایک عام اور عمدہ اصول یہ ہے کہ مردہ اور بے سمجھے ایمان کو قبول نہیں کرتا بلکہ صاف اجازت اور حکم دیتا ہے کہ ساری چیزوں کو آزماؤ سب سے جھڑک کر قبول کرو۔ (پہلا تسلونقیون ۵: ۲۱) اور دین کہتے ہیں کہ ایمان لاؤ اور عقل کو بالکل دور کر دو۔ مسیحی دین اپنی الہی بنیاد سے واقف ہے اور خوب جانتا ہے کہ ہر چند لوگ اسکو بری اور بٹ دھرمی کی نظر سے دیکھیں پھر بھی اسکی روحانی اور جاودانی فضیلتیں بڑے موثر طور پر خود کو ظاہر کر دینگی حتیٰ کہ لوگ خود اسکی خوبی اور عمدگی کے قائل ہو جائیں گے۔ پس یہ فرمانا ہے کہ مجھے پرکھو اور خوب ٹھنھنا کے پرکھو۔ مجھے آزماؤ اور خوب آزماؤ۔ مجھے دیکھو اور خوب دیکھو تب اگر میں تمہاری پسند لائق اور تمہاری حاجات روا کر دوں والا اور حقیقت میں تمہارا وصال خدا کے قدموں سے کرانیو الا ثابت ہوں تب مجھکو قبول کرنا اور نہ تمہاری عرضی۔ اور دنیاوی طرح یہہ دیتا نہیں کہ کہیں کوئی بدی یا نقص ظاہر ہو جائے۔ کیونکہ یہہ جانتا ہے کہ اسس کا

بھینے والا اللہ تعالیٰ ہے جو سارے نقص و قبح سے بری ہے۔ اور حکم دیتا ہے کہ جس کا جی چاہے اسے پرکھے۔ اگر یہ دین بلا دلیل قبول کر لیا جائے تو شاید فضول ہوگا۔ پر اس دین کی خوبی اور عمدگی کی دلیل خود اس میں موجود ہے مثلاً صرف مسیحی دین ہی دنیا میں خالص نیکی اور سچی دینداری کی سب سے عمدہ تر غیب دیتا ہے۔ خود مجتہدی کے عوض الہی محبت دل میں پیدا کرتا ہے۔ خود غرضی کو نکال کے عام کی بہبودگی اور بھلائی کا بیج لوگوں کے دلوں میں ڈالتا ہے۔ کس مذہب نے نبی نوع انسان کی اس قدر بھلائی کی کہ غلامی کو ناجائز ٹھہرایا۔ کس دین نے عورتوں کو پھر سے وہ درجہ دیا جو اللہ تعالیٰ نے ابتدا میں امانت کو دیا تھا جو ب سے پہلی عورت تھی۔ کس مذہب نے روحانی بت پرستی اور جسمانی صنم پرستی کی ایسی بیخ کنی کی جیسی کہ مسیحی دین نے۔ کس دین نے اپنے پیروں کو دنیا میں ایسا بنا دیا کہ وہ گویا فرشتے ہیں جو آدمی کے جسم میں ظاہر ہو کے دنیا میں نمودار ہوئے ہیں۔ کس دین نے انسانی ہمدردی نیکی اور پاکیزگی کو دنیا میں ایسا پھیلایا ہے۔ مگر مسیحی دین نے۔ کس مذہب نے انسانی بے اعتدالیوں اور شہوتوں کو پرہیزگاری سے بدل ڈالا۔ کس نے انسانی غرور اور نا انصافی کو فروتنی رحم اور عدل سے بدل ڈالا۔ وہ دین کو نسا ہے جس نے لوگوں کے دلوں کو روحانیت اور تقدیس کا مزہ دکھایا۔ بالافراد دنیا کے مذاہب کا مقابلہ الہی مذہب مسیحی سے کرنا اور دیکھ لو کہ یہ خدا کا دین اپنی اندرونی خوبیوں اور فضیلتوں کے باعث سب سے افضلتر اور اعلیٰ تر ہے یا نہیں +

مسیحی دین کی ایک اور عمدہ فضیلت یہ ہے کہ یہ لوگوں کے دلوں کو گناہ سے قائل کرتا اور ان میں توبہ اور ایمان پیدا کر کے مضطرب دلوں اور ضمیروں کو تسلی دیتا اور بقرار جانوں کو ایسی خوشی بخشتا ہے جو بیان سے باہر ہے۔ ان امور کو ہر ایک مسیحی اپنے ذاتی تجربہ سے جانتا ہے۔ یہ تجربہ کی بات ہے جس کی کیفیت تحریر میں نہیں آسکتی۔ مسیحی شخص دکھ درد اور آفت بلکہ موت میں بھی خوش رہتا ہے۔ آئندہ زندگی کی خوشی کا کچھ ایک ثبوت اگر ہو سکتا ہے تو حال کی زندگی کی خوشی سے ہو سکتا ہے جو خداوند یسوع دیتا ہے اسی سے ہم قیاس کر سکتے ہیں کہ ربنا یسوع مسیح کا دین سچا ہے۔ کیونکہ یہ ہم کو صرف آئندہ خوشی کی امید یا یقین ہی نہیں دیتا بلکہ حال کی زندگی میں جسے دکھوں کی زندگی کہنا زیادہ موزوں ہے ایسے طور پر خوشی اور اطمینان دل میں پیدا کرتا ہے کہ گویا انسان کو اسی دنیا میں ہمیشہ کا نہ صرف نظارہ بلکہ مزہ دکھا دیتا ہے۔ یہ خوبی صرف اسی دین کی ہے۔ اور بے شمار مذاہب جو تختہ دنیا پر مرقع ہیں کسی قدر امید دیتے ہیں کہ ایسا ہو گا یا ویسا ہو گا۔ پھر یہ دین وہ چیزیں دکھاتا ہے جو انکھوں نے نہیں کھیں اور وہ باتیں سناتا ہے جو کانوں نے نہیں سنیں۔ بلکہ وہ خوشییں دکھاتا ہے جو انسانی دل نے کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ وہ مذہب یا طریقہ کس کام کا ہے جو ہم کو خوش نہ کرے اور آئندہ زندگی کی بابت کوئی سخت اور یقینی بات نہ بتائے بلکہ بول ہوگا اور وہ ہوگا میں رکھے۔ مذہب وہی کام کا ہے جو نہ صرف کہ یہ ہوگا بلکہ اسکو انکھوں سے دکھا دے

اور پھر کہے کہ دیکھ یہ آغاز ہے۔ کمال اس سے بڑھ کے ہے۔ غرض کہ جس اصلی مقصد سے کسی دین کو مانا جاتا ہے وہ مطلب صرف مسیحی دین میں پورا ہوتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ بد مزاج اور گنہگار انسان کو بدل کے اُس میں الہی مزاج اور فرشتہ خویا کرے۔ اور پھر یہ کہ اُنکو گناہوں کی معافی کی امید دے جس امید کا یقین تجربہ سے کر دے۔ ہمارے غرض اس بیان سے یہ نہیں ہے کہ مسیحی دین کی صداقت کو ثابت کریں کیونکہ یہ مرحلہ اور لوگوں نے ہم سے پہلے اور ہم سے بہتر طور پر اپنی نادرتصانیف میں اچھی طرح طے کر لیا ہے ایسا کہ اب کوئی دقیقہ باقی نہیں ہے۔ تو بھی مسیحی دین کے منجانب اللہ ہونے کا بیان کرتے وقت شاید معجزے اور پیشینگوئی کی طرف اشارہ کرنا جو کثرت مسیحی دین میں پائے جاتے ہیں نامناسب نہ ہوگا۔ مسیحی دین کے ثبوت میں جو فوق الفطرت اور خرق عادت کام خدا کے بندوں نے کئے اُنکا اس کثرت سے اور جا بجا ذکر ہے کہ عقل حیران ہو کے اُن کو تسلیم کر لیتی ہے۔ اور حیرانی کی غائت یہ ہے کہ نہ صرف مسیحی مذہب کے طرفدار بلکہ اُسکے بڑے بڑے مخالف بھی دم نہیں مار سکتے کہ یہ بات غلط ہے کیونکہ فی زمانہ ہم لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ کون کون سی پیشینگوئی آجکل پوری ہو رہی ہے۔

مسیحی دین کی ایک اور خاص خوبی یہ ہے کہ یہ انسان کی بگڑی ہوئی ذات اور عادت کے بالکل خلاف ہے۔ اور مذہب میں بعض کاموں کی وجہ سے وہ میں بعض بعض

حالتوں میں اجازت دیتی ہے۔ مثلاً دروغ مصلحت آمیز کے کرنے اور راستی فتنہ انگیز کے نہ کرنے کی یا بالاجبار کسی نیکی کے کام کو کرانے کی یا کسی خاص حالت میں ایسی بات کو جائز سمجھنے کی جو حقیقت میں ناجائز ہے جیسا کہ بعض مذاہب کے دل سے کوئی کام کرنا خواہ وہ کیا ہی برا کیوں نہ ہو بشرطیکہ اُس سے ہمارا فائدہ مقصود ہو اور ایسی باتوں کی اجازت ہے پر مسیحی دین عالمگیر پاکیزگی اور تقدیس کو طلب کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ اسکا اظہار روزمرہ کے کاموں اور زندگی میں کرنا ضروری ہے مسیحی دین کہتا ہے کہ بدی مت کرو تاکہ نیکی اُس سے نکلے۔ جھوٹ مت کہو تاکہ تم سزا سے بچ جاؤ۔ وغیرہ۔ اگر یہ دین آدمی کا بنایا ہوا ہوتا تو ضرور اس میں ایسی تعلیمات ہوتیں جو آدمی کی ذات سے نکلتیں۔ پر یہ تو انسانی ذات کی کامل مخالفت کرتا ہے گویا اس نے پیر اٹھایا ہو ہے کہ جہانک ہو سکیگا انسانی ذات کی مخالفت کر لیا جتنی کہ وہ اپنی بدی اور بد ذاتی سے باز آئے۔ اور جب تک کہ ایسا نہیں ہو جاتا بالکل اور کامل مخالفت ہی کرتا چلا جاتا ہے۔ قیاس نہیں چاہتا ہے کہ وہ دین انسانی ذات کے ایسا خلاف ہو انسانی ذات سے نکلا ہو۔ اس خیال است و محال است و جنوں عالمگیر پاکیزگی کا شرق و باک طبیعت سے کیونکر پیدا ہو سکتا ہے۔

مسیحی دین کی ایک اور فضیلت یہ ہے کہ یہ بے تلوار فاتح ہے جب یہ دین دنیا میں آیا تو اُس وقت بہت سے مذاہب جاری تھے۔ لوگ اپنے ذاتی فواید کے لحاظ سے

اپنے اپنے دینوں کے ساتھ ایسے وابستہ تھے کہ اگر یہ دین انکی بنج کسی نہ کرتا تو ممکن نہ تھا کہ کسی طرح وہ شکست پاتے۔ مسیحی دین نے جو گنہگاروں اور متنفذ لوگوں کا دین کہلاتا تھا محض اپنی الہی تاثیرات سے روئے زمین کے سارے دینوں کو شکست دی۔ یہی اکیلا دین ہے کہ کل تختہ دنیا کے موزوں ہے۔ مثلاً محمدیوں کو پولند کے ملک میں روزہ رکھنا اور وضو کر کے نماز ادا کرنا محال ہے۔ ویسا ہی ہنود کو دوسرے ملکوں میں جا کے اپنے مذہب کی قیود میں رہنا مشکل ہے۔ مسیحی دین جسکا علاقہ دل سے ہے اور جو جسم سے اور جسمانی اطوار سے چنداں سرکار نہیں رکھتا ایک ایسا دین ہے کہ کل روئے زمین پر یکساں مفید اور مناسب نظر آتا ہے۔ مسیحی دین ہر ایک فرد بشر کی حالت کے موزوں ہے۔ خواہ وہ کسی قوم اور کسی فرقہ کا کیوں نہ ہو اور مذاہب محدود ہیں اور مقررہ حدود سے باہر نہیں جاسکتے۔ پر یہ دین کوئی بیڑنی قیود نہیں لگاتا۔ خدا کا کلی قاعدہ یہ ہے کہ وہ اپنی برکتوں اور نعمتوں کو محدود نہیں کرتا بلکہ تختہ دنیا کی ہر ایک فرد پر نازل ہونے دیتا ہے۔ آفتاب روشن تاب کی شعاعوں کی طرح مسیحی دین بھی رہنمائی قیود کے جدھر جاتا ہے زندگی روشنی اور گرمی عطا کرتا ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جب مسیحی دین دنیا میں جاری ہوا تو وہ لوگ جن میں یہ دین پہلے پہل جاری ہوا تھا اسکے سخت مخالف تھے یہاں تک کہ انہوں نے اسکے بانی بانی کو مڑا دیا اور اسکے بہت سے پیروں کو طرح طرح کے تصدیق اور دھوکے

دیئے۔ اور ان میں سے اکثروں کو مار دیا۔ تو بھی یہ دین سبب اپنی الہی تاثیرات اور خوبوں کے ان لوگوں پر غالب آیا اس ملک میں نہ سکا یا بلکہ اور دور دراز ملکوں میں گیا اور انکو فتح کیا۔ سلطنتیں ریاستیں اور حکومتیں اسکے مخالف ہوئیں اور کبوتر ہو کے اسکی بربادی کی کوشش کرنے لگیں۔ پر اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا دین ان سے ذرہ بھی نہ ڈرا۔ فوجیں اور بادشاہتیں بار بار اٹھتی ہوئیں اسکے کہ اس دین کے نام و نشان کو تختہ دنیا پر سے مٹا دالیں۔ پر انہوں نے خود ہی شکست کھائی اور مجبور ہو کے بولے کہ یسوع ناصری تو ہم کو جیتا۔ طرفہ یہ کہ اس دین کے پیروں کے ہاتھ میں نہ تلوار تھی نہ ان کو کسی قسم کا اختیار یا زور تھا۔ پر آخر مسیحی دین فتحیاب ہوا۔ ہر ایک غالب پر غالب آیا اور دشمنوں کے سر کو اپنے پاؤں تلے کچل ڈالا۔

چہارم۔ اب ہم ذرہ واضح اور شرح طور پر اس امر کا بیان کرتے ہیں کہ مسیحی دین کی علت غائی کو کامل طور پر پورا کرتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ گم گناہوں کی معافی کی امید اور ذرہ کے برتاؤ اور زندگی میں نیکی اور روحانیت کی ترغیب دیکر اس لائق بنائے کہ جب ہم ہم جسم چھوڑ دیں تو الہی قربت میں رہنے کے لائق ہوں۔

ظاہر ہے کہ اگر کوئی چاہے کہ کوئی امر ایسے طور پر پیش کرے کہ سامعین اسے ضرور قبول کریں اور اس سے موثر ہوں تو دو امور کی ضرورت ہوتی ہے۔ اول یہ کہ جو کلمے وہ استعمال کرتا ہے ضرور ہے کہ پورے ذہنی اختیار کی طرف سے ہوں۔ دوم وہ کلمے ہم سے

ایسا ضروری علاقہ رکھیں کہ سنسلا اور جزا کا انحصار ان پر ہو۔ ان کے سوائے اگر متکلم کا یا جبکہ طرف سے متکلم کلام کرتا ہو اس کا کسی قسم کا احسان بھی ہم پر ہو تو اور کوئی امر اس کے کلام سے زیادہ ترغیب نہیں دے سکتا کہ اس کے حکم کو تسلیم کر کے اس کے بموجب عمل درآمد کریں۔ صاف الفاظ میں یہ کہ جب ہم کسی کے حکم کو مانیں تو پہلی بات یہ ہے کہ آیا وہ حکم کسی صاحب اختیار شخص سے آیا ہے کہ نہیں۔ دوسرے اس سے ہماری جھلائی بُرائی وابستہ ہے کہ نہیں۔ اور پھر یہ کہ آیا حکم دینے والے نے ہم پر کوئی ایسی خاص مہربانی کی ہے جس کے سبب ہم اس کے دل سے مشکور ہیں۔ اگر ایسا ہو تو ہم بالضرور اس کے حکم کو ماننے کے حکم منوانے کی اس میں اور صرف اس میں سب سے زیادہ ترغیب ہے۔

مسیحی دین میں اور صرف مسیحی دین میں یہ تینوں باتیں پائی جاتی ہیں۔ مسیحی دین کا بانی مہربانی جیسا کہ اوپر ثابت ہو چکا جناب باری تعالیٰ ہے۔ اس کے راز خواہ کیسے مشکل کیوں نہ ہوں تو بھی یہ بدیہی ہے کہ وہ ہمارا خالق مالک پروردگار اور ہمارا حاکم ہے پس ضرور ہے کہ ہم اس کے احکام مانیں خواہ وہ ہم کو کیسے ہی معلوم کیوں نہ ہوں۔ پس مسیحی دین کہتا ہے کہ خداوند فرما تا ہے رب الاوج کی تاجر۔ خدا فی یہد بانی فرمائیں۔ خداوند کا کلام ہے۔ وغیرہ۔ گویا ہر ایک حکم اور ہر ایک نصیحت کو یہ دین اللہ تعالیٰ سے متعلق کرتا ہے اور اسی کو اس کا بانی مہربانی بتاتا ہے۔ یہ بات مسیحیوں کی چال اور رفتار پر ایک قسم کی قید کا اثر رکھتی ہے اور انہیں پابند بن کر دیتی ہے۔ مسیحی شخص یہ دیکھتا ہے کہ جو حکم اسے ملتا ہے

وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس کے وہ بغیر کسی اور پوچھ پوچھ یا اعتراض کے اس کو قبول کرتا اور اسے پورا کرتا ہے۔ غرض کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو دیکھ کے مسیحی شخص اپنی نفسانیت کے ہوا و مہوس کے پیچھے نہیں جاتا بلکہ بیشتر اللہ تعالیٰ کے پیچھے چھپ جاتا ہے۔ اور اسی سے چٹا رہتا ہے۔ اس باب میں مسیحی دین دنیا کے اور تمام مذاہب سے بڑی فوقیت رکھتا ہے کہ اس کے احکام اللہ کے احکام ہیں اور اللہ سے بڑھ کے کسی کا حق نہیں ہے کہ اس کا حکم بلا کم و کاست مانا جائے۔ بعض اور مذاہب کا دعویٰ ہے کہ ہم منجی ابن اللہ ہیں پر دعویٰ ہی دعویٰ کام نہیں کرتا۔ دلیل بھی ہونی چاہئے۔ اور ان کے منجی ابن اللہ ہونے کی دلیل مقصود ہے۔

علاوہ ازیں سزا و جزا کا جو ذکر مسیحی دین کرتا ہے وہ ایسا ہے کہ اللہ کے مناسب ہے۔ اور ان لوگوں کے حال کے موزوں ہے جو ابدیت میں رہنے کو ہیں۔ اور مذاہب میں جو سزا و جزا کا بیان ہے اس کا مقابلہ اس بیان سے کر کے دیکھ لو جو مسیحی دین میں پایا جاتا ہے کہ بالمتقابل وہ کیسے خیر اور بہودہ سے معلوم ہوتے ہیں۔ برخلاف ان کے مسیحی دین کمال صداقت سے ایسا بیان کرتا ہے کہ وہ خواہ سزا و دل پر اثر کرتا ہے اور مجبور کرتا ہے کہ انسان اسی احکام کی تعمیل کرے۔

سزا و جزا کا عمدہ نظارہ جو مسیحی دین انسان کی آنکھ کے آگے دکھاتا ہے ایسا اعلیٰ درجہ کا ہے کہ ویسا دلکش اور مؤثر بیان کہیں اور پایا نہیں جاتا۔ اور بقول شخصے

اگر یہ بیان گنہگار کو بدی کی بد حالی اور گناہ کی بدی کو دکھانے کی واسطے کافی نہیں ہے تو اور کوئی بیان ہی نہیں ہو سکتا جو دل پر اثر کرے۔ ابدیت کا خیال بڑا سنجیدہ خیال ہے اور ابدی سزا یا ابدی خوشحالی کا خیال دل پر اگر کوئی اثر پیدا نہ کرے تو دنیا بھر میں اور کوئی سا خیال ہی جو اثر کرے گا۔ جاوہر خیال جسے کہتے ہیں وہ محض یہی ہے کہ انسان اپنی آئندہ کی حالت کو کہ وہ کیسی ہوگی دیکھ کے موثر ہو گا۔

مسیحی دین کی ایک اور اعلیٰ درجہ کی فضیلت یہ ہے کہ انسان کو سب سے بھاری بوجھ یعنی لطف جھڑانی اور رحم سے ایسا مودہ لیتا ہے کہ دل فرمانبرداری کی طرف خواہ مخواہ مائل ہو جاتا ہے۔ مسیحی دین انسان کو صرف دینی اور دنیوی فرائض ہی عمدہ طور پر نہیں بتاتا جیسا کہ اور مذاہب کرتے ہیں اور انکی مانند یہی نہیں کہتا کہ خدا ہماری زندگی اور وجود کا خالق ہے اور اسی سے ہم دنیاوی برکات حاصل کرتے ہیں بلکہ اور بھی آگے جاتا اور کہتا ہے کہ خدا ہمارا باپ ہے اور گنہگار کے گناہ دور کرنے اور اسے سزا سے ابدی سے بچانے کی غرض سے اس نے ایسا پیار کیا کہ اپنے اکلوتے بیٹے کو اسکی خاطر موت کے حوالہ کیا کہ وہ بچ جائے۔ اس محبت کی آواز کو سنے انسان کا دل اپنی بدی سے ایسا نفرت کرنے لگتا ہے اور خدا کے رحم کا ایسا گرویدہ ہو جاتا ہے کہ چون چرات سلیم ختم کرتا اور نادام اور نجل ہو کے ارادہ کرتا ہے کہ ہو سو ہو میں ہرگز اللہ کی حکمت عدولی نہ کرونگا۔ دنیاوی برکتیں جو خدا کی پروردگاری اور خلقت کے کام میں کثرت سے

پر مسیحیوں کو توجہ کرنا بھی نا کارہ سا کام معلوم ہوتا ہے اسی سبب سے اکثر انکی بات عاقلانہ جواب خاموشی دیا کرتے ہیں۔ گویا یہ دکھانے میں کہ بعض ایسے یہودہ و عیسوی ہیں جو جواب کے لائق بھی نہیں ہیں۔

اکثر وحدانیت صحیح اور پیکر پرستار کہا کرتے ہیں کہ مسیحی دین میں اتنے راز اور مخفی بھید ہیں جو سمجھ میں نہیں آتے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیحی دین قبولیت کے لائق نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تثلیث فی التوحید۔ مسیح کا مجسم اور کفارہ ہونا وغیرہ ایسے اسم اور ذوق مسائل ہیں کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتے۔ اس اعتراض اور اس قبائل کے اور اعتراضوں کا مختصر جواب چند کلموں میں یوں ہو سکتا ہے کہ انسان محدود عقل والا ہے۔ اور اگر یہ لامحدود شخص کی راز اور پالیسی کو سمجھ نہ سکے تو کوئی عجیب بات نہیں ہے کہ جب انسان انسان کے اکثر رازوں اور پالیسیوں سے واقف نہیں ہوتا تو کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ خدائے غیر محدود کے راز سمجھنے کی حرات کر سکتا ہے۔ خدا غیر محدود ہے اور انسان محدود محدود غیر محدود کو کامل طور پر سمجھ نہیں سکتا اور نہ غیر محدود میں مدد میں سہاگیا اور مقید ہو گیا۔ پس کیا اسلئے کہ غیر محدود میں نہیں سہا سکتا محدود یہ کہہ سکتا ہے کہ غیر محدود کچھ نہیں ہے کیونکہ مجھ میں سہا نہیں ہے۔ اگر ایسا کہے تو اپنی جہالت اور محدودیت کو ہی ثابت کر رہا ہے۔ کیا اس لئے کہ خدا مٹھی میں نہیں سہا سکتا کوئی کہہ سکتا ہے کہ خدا ہی نہیں۔ یا اس لئے کہ سمندر کو زہ میں نہیں سہا کوئی کہہ سکتا ہے کہ سمندر کسی کام کا نہیں ہے کیونکہ مجھ میں نہیں

آجائے خدا کے بھید لامحدود شخص کے بھید میں مناسب ہے کہ معترض خدا کی ذات و صفات کی نسبت اعتراض کرنے سے پہلے ذرہ اپنی ذات کی نسبت پورے طور پر سمجھ لیں تب ذرہ سراٹھا کے دیکھیں کہ انکو اعتراض کا موقعہ ہے کہ نہیں جب انسان خود اپنی ذات کی نسبت یہ نہیں سمجھ سکتا کہ جسم جو مادی ہے روح کے ساتھ جو غیر مادی ہے کیا علاقہ رکھتا ہے اور کیونکر علاقہ رکھتا ہے تو کس منہ سے الہی راز اور انہی ذات کی بابت یہ کہہ سکتا ہے کہ چونکہ یہ ہماری سمجھ میں نہیں آئے اسلئے ہم انکو تسلیم نہیں کریں گے۔ ایسی ذی شعور پہلے خود کو تو اچھی طرح سے سمجھ لے۔ تب ہی اللہ رحمت گیری کریو۔ اپنے چاروں طرف نظر ڈالو دیکھو کہ کچھ کیا ہے اور بھیدِ نچر میں نظر نہیں آئے ہر ایک شے کی بناوٹ اور ترتیب میں راز ہے جب نچر میں راز ہے کہ آدمی ان کو سمجھ نہیں سکتا تو کیا عقل تسلیم کرتی کہ محض اسلئے کہ مسیحی دین میں بہت سے راز ہیں تو مسیحی دین قابل تسلیم نہیں ہے۔ پہلے تو اس چھوٹے سے نیچری مسئلہ کو طے کر لے کہ کیونکر ایک چھوٹا سا ذرہ لامحدود حصہ میں منقسم ہو سکتا ہے۔ پہلے تقناطیسی کشش کی پوری مائیت سمجھ لے۔ پہلے یہ سمجھ لے کہ بچان غذا جو ہم کھاتے ہیں کس جگہ اور کس موقع پر جاندار خون بن جاتی ہے کیونکر کاربن جو زہر ہلاہل اور کالا سیاہ ہے تبدیل ہو کے ہیرا بن جاتا ہے پہلے یہ بتا دے کہ مادہ میں کشش جبر و ثقل کیوں اور کیا ہے۔ پہلے یہ سمجھ لے کہ روح پر جو غیر مادی ہے مادی چیزوں کا کیونکر اثر ہوتا ہے۔ اگر تو پہلے ان اور اس قسم کی اور باتوں کا جواب کافی طور پر دے دے تو ذرہ زیادہ ہوگا کہ خدا اور اس کے رازوں پر اعتراض کیا جائے +

نظر آتی ہیں خواہ کیسی ہی بیشمار اور پر قدر کیوں نہ ہوں خدا کی محبت کے سامنے جو گناہوں کی معافی کے باب میں ظاہر ہوئی ہیں سب کی سب دھندلی سی معلوم ہوتی ہیں جس محبت کا بیان اس لٹانی طریقہ سے کیا گیا ہے کہ پتھر سے پتھر دل بھی موم ہو جائے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ جب ہم گنہگار تھے تو مسیح ہمارے واسطے موات ۴ قریبوں ۵: ۱۴-۱۵۔ اس محبت کے بیان کی کشش نے ہزار ہا ہزار لوگوں کے دلوں کو خدا کی طرف کھینچ لیا۔ اور انکی سرکشی اور بغاوت خود روی اور خود راہی سے علیحدہ کر کے فرمانبردار اور تابعدار بنا دیا۔ اور کونسا دین ہے جس میں اس سے زیادہ یا اسکے برابر کشش کر نیکی وسائل موجود ہیں۔ سچ ہے کہ مسیحی دین ہی ایسا دین ہے کہ انسان کے دل کو نہ صرف اپنی صداقتوں اور خوبیوں سے جذب کر لیتا ہے بلکہ اس محبت کے اظہار کے بیان سے جو ربنا یسوع مسیح کی وسیلے ظاہر ہوئی انسان کے دل کو ایسا لٹھا لیتا ہے کہ انسان اپنا نہیں رہتا بلکہ خدا کا غلام اور حلقہ بگوش بن جاتا ہے اور یہی خاص مقصد مذہب کا ہے +

فصلِ چہم

ایمان کا مدعا خداوند یسوع

چند اعتراضوں کے جواب

مسیحی دین کے مخالف شروع سے ہوتے چلے آئے ہیں اور زمانہ سلف میں مسیحی

دین نے اُن سے بہت دکھ اٹھایا۔ مخالفوں نے بیٹھک پارہا چاہا اور کوشش کی کہ اس دین کا ستیاناس کر دیں پر کامیاب نہ ہو سکے۔ انہوں نے اپنے چیدہ چیدہ اور سب سے پرزور تیروں کی بچھاڑ اس دین پر چلائی پر اس کا ایک بال بھی نہ ہلا سکے۔ مسیحی دین نے اعتراضوں کے دندان شکن جواب دیئے اور اُن الٰہی تاثیروں اور خوبیوں کے سبب جو خداوند یسوع مسیح کے سبب اسے حاصل ہیں قائم اور غالب رہا۔ تعجب کی بات ہے کہ فی زمانہ مخالفین مذہب عیسوی جو اعتراض پیش کرتے ہیں اُن میں سے ایک بھی ایسا نہیں ہے جو زمانہ سلف میں نہیں ہو چکے اور جن کا جواب قدمانے پہلے سے نہیں دیدیا۔ اور وہ جواب ایسے با صواب ہیں کہ جیسے چون چر باقی نہیں چھوڑتے اُن تمام اعتراضوں کا جواب دینا جو مسیحی دین پر یا اُس کے بانی پر ہو چکے اور ہوتے ہیں اس چھوٹے سے رسالہ میں ناممکن ہے۔ کیونکہ جتنے منہ اتنی ہی باتیں۔ پر ہم مختصر چند بڑے بڑے اعتراضوں کا جواب دیتے ہیں جس سے معلوم ہو جائیگا کہ مسیحی لوگ کس آسانی سے معترضوں کا منہ بند کر سکتے ہیں۔ جو اعتراض ہم نے چنے ہیں انکو دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ مخالفین نے اُن کو بڑا پرزور سمجھ رکھا ہے اور یہ امر ہمارے اوپر کے بیان کی زور سے تائید کرے گا کیونکہ جس حال ایک ادنیٰ مسیحی بڑے بھاری اعتراضوں کا یوں جواب دے سکتا ہے تو اور اعتراض کا کیا حال ہوگا۔

مسیحی دین کے مخالف اکثر بہت سے ایسے یہودہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اُن

کیا جاتا ہے کہ بعض مسیحی اشخاص وہی گناہ کیا کرتے ہیں جو اور لوگ بھی کرتے ہیں تو فرق کیا ہوا۔ اور مسیحی دین سے فائدہ کیا ہم ایسے لوگوں کو کہتے ہیں کہ ہم لوگ ایمان کا مدعا مسیحی دین کو اور خداوند یسوع کو نہ کہ مسیحی لوگوں کو بتاتے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے مسیحی آدمی پر ایمان لانا چاہئے یا یہ کہ مسیحی آدمی سے بعض وقت گناہ نہیں ہو جاتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ یہ دین اللہ کا دین ہے جسے خداوند یسوع نے ایجاد کیا پس خداوند یسوع پر جو بالکل پاک اور راست اور کامل ہے اُس کے ایجاد کئے ہوئے دین میں ہو کے ایمان لانا چاہئے۔ اگر مسیحی دین کی تعلیمات ایسی پاکیزگی سکھاتی ہیں جو قابل تعریف اور لائق عمل ہیں اور بعض لوگ جو خود کو اُس دین سے وابستہ بتاتے ہیں اُس کے خلاف عمل کرتے ہیں تو کوئی دہائی کی بات ہے کہ کوئی اس سے یہ نتیجہ نکالے کہ مسیحی دین منجانب اللہ نہیں ہے یا قابلِ غور نہیں ہے۔ بلکہ اس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسیحی دین پاک اور صاف ہے اور اُن لوگوں سے خلاف ہے جو وہ روحانیت اور تقدیس ظاہر نہیں کرتے جس کی تعلیم یہ دین دیتا ہے۔ اور یہ دین ایسوں کو اپنا پیرو نہیں بناتا مثلاً اخلاقی تعلیمات اور پوری مذہب کے ماننے والے بہت سے لوگ ایسے ہیں جو باہر ہمہ پھر بھی نچرل اور اخلاقی اصولوں کے خلاف بہت سے کام کرتے ہیں۔ کیا کوئی شخص دانائی کے ساتھ اُن کو دیکھے یہ کہہ سکتا ہے کہ یہچرا اور اخلاقی احکام درست نہیں ہیں۔ یا اور یہی محمدی مذہب شراب کے استعمال کو قطعاً ناجائز اور حرام بتاتا ہے اب اگر کوئی محمدی شراب پیئے اور پھر بھی نماز ادا کیا کرے تو کون کہے گا کہ محمدی دین خراب ہے۔

اسلئے کہ اس کا ایک پیر و شراب خوار ہے۔ کوئی پاگل اس قسم کی بات کہے تو کہہ جس آدمی کے پاس ذرہ سی عقل ہو وہ تو ایسی ہودہ بات مہنہ نہ نکالتے ہوئے شرمائیگا +

پراک اور امر بھی خاص قابل توجہ ہے کہ اگر مسیحی دین اور وہ نمونہ جو خداوند یسوع مسیح چھوڑ گیا ہے دنیا میں نہ رہے تو دنیا کی حالت کیا ہوگی۔ بہتر یا بدتر چنانچہ مقابلہ کر کے دیکھا گیا ہے اور یہ امر بایہ ثبوت کو کافی طور پر پہنچ چکا ہے کہ جہاں مسیحی دین کی نورانی تعلیمات کی روشنی نہیں پہنچی وہاں کا حال ان ملکوں سے جن میں مسیحی دین پھیلایا ہے بدرجہا بدتر اور اتہر ہے۔ کیا سچ نہیں ہے کہ مسیحی دین اور خداوند یسوع کا نام جس ملک میں گیا وہاں سے تاریکی اور ظلمت کے کام کا فور ہو گئے۔ ہندوستان کا حال فی زمانہ اور ہر اور پانچ صدیوں میں۔ اور تھائی۔ اس ملک میں ان دنوں کیسی کیسی فحش رسمیں اور دستور اور کیسی کیسی بدیہیں اور خوشخواریں اور ناپائکیں اور تاریکی کے کام زور سے جاری تھے جو مسیحی دین کی بدولت غارت ہوئے اور روزمرہ ہوتے چلے جاتے ہیں۔ مسیحی دین روشنی و آفتاب ہے جہاں یہ نہیں ہوتا بدیہ اور گناہ کی اندھیری رات ہے۔ پر جہاں مسیحی دین آفتاب صداقت کو چمکانا ہے ظلمت جاتی رہتی ہے اور سارا ملک اندر باہر سے روشن ہو جاتا ہے اخلاقی تعلیم اور فطرتی قوانین کے ہزار ہا چراغ ملے مسیحی دین کے پُر از صداقت آفتاب کی مانند روشنی نہیں دیکھتے۔ اس کا ایک پر توئی سب اور روشنیوں کو مات کر دیتا ہے +

یہ بھی ضرور ہے کہ ان لوگوں کی طرف نظر ڈالیں جو مسیحی دین کے موافق زندگی بسر

مسیحی دین جو آپسی راز بتاتا ہے وہ ہماری سمجھ کے خلاف نہیں ہماری سمجھ کے احاطہ کے باہر ہوں تو ہوں ان سے ہم کو کیا۔ سمجھ سے باہر ہونا اور نہ ہر اور سمجھ کے خلاف ہونا اور ہم بہت سی چیزوں کو نہیں سمجھ سکتے اور تو بھی وہ ہیں۔ البتہ خلاف قیاس امر کو تسلیم نہیں کر سکتے۔ مثلاً دو تین صدی پہلے ہمارے آبا و اجداد اس بات کو بعید القیاس سمجھتے تھے کہ لوہے کا جہاز و صوفیوں کے زور سے پانی پر بہت تیزی سے چل سکتا ہے۔ یارقی روشنی سے چراغ کا کام لیا جاسکتا ہے۔ پراچکل ہم اسکو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ یہ امر گو ہماری سمجھ سے باہر ہے جو علم آلہ سازی وغیرہ ناواقف ہیں تو بھی خلاف قیاس نہیں ہے۔ ہمارے نفس ناطقہ ہمارے جسم ہماری جان اور ہر ایک ذرہ جو ہماری نظر سے گذرتا ہے ہماری سمجھ سے باہر ہے تو بھی ویسا ہی ہے جیسا وہ اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے۔ اس سے کیا یہ لازم آتا ہے کہ چونکہ مسیحی دین میں بعض ازیں جو سمجھ میں نہیں آتے اسلئے یہ دین قابلِ اعتراض ہے +

بلکہ اگر اس دین میں ایسے ایسے امر نہ ہوتے تو حرف گیری کا موقع نہ ہوتا۔ کیونکہ جو حیر کا خالق ہے وہی مسیحی دین کا موجد ہے۔ پس اگر نیچر میں اور اس کے خالق میں راز اور مخفی اسرار پائے جاتے ہیں تو کیونکر ممکن ہے کہ اس راہ میں جو اس نے بنائی ہے راز نہ ہوں۔ اگر راز نہ ہوتے تو گمان غالب ہوتا کہ یہ دین اللہ سے نہیں ہے +

بعض اعتراض کرتے ہیں کہ بائبل میں کسی ایک ایسے گل اور آفاق فقرے اور جملے

ہیں کہ اُنکے معنی دہستی سے سمجھ میں نہیں آتے۔ اوپر کے اعتراض کی طرح ایک یہ بھی بالکل ویسا ہی طرح سا اعتراض ہے کہ بچہ کو بتائی ہے کہ مجھ میں ہزار ہا ہزار ظاہرِ غیر مفید اور بے سود چیزیں موجود ہیں مثلاً آج تک کوئی یہ نہیں بتا سکا کہ مرد کی چھاتی پستان کیوں ہیں اور کیا کام دیتے ہیں پس اس سبب کہ مرد کے پستان کا حال پورے طور پر ہم سمجھ نہیں سکتے کیا مناسب ہے کہ اُس حقیقی منتظم اور ہمہ دان کی عقل پر اعتراض کریں اور کہیں کہ اُسے انسان کو نہیں بتایا۔ سرگز نہیں۔ ویسا ہی کیا جائے کہ کلام ربانی کی حرف گیری کی جائے محض اسلئے کہ اُس میں بعض ادق فقرے اور جملے موجود ہیں۔ کیا عمارت بنانے والے کی کاریگری پر اعتراض ہو سکتا ہے اسلئے کہ اُس میں کسی خاص سبب سے جو ہماری سمجھ میں نہیں آتا کوئی خاص اینٹ کسی خاص طور پر لگی ہو۔

بلکہ اس قسم کی مشکلات شاید اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہی فائدہ اور نصیحت کے لئے رکھی ہیں کیونکہ اگر ہم سب کچھ سمجھ لیتے تو شاید بہت شیخی باز اور مغرور ہو جاتے کہ ہمارے جیسا اور کوئی نہیں ہے کہ جب ہم ایسی باتیں دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم تعلیم کو محتاج ہیں کیونکہ ہم اب تک کم عقل اور نادان ہیں۔ پس جس چیز یا جس امر پر اعتراض ہوتا ہے بالصرحت وہی ہمارے خاص فائدہ کی ہوتی ہے۔ پس تفاوت رہ از حجاست تا بحجاد بعض اشتخاص اعتراض کرتے ہیں کہ مسیحی دین کے بعض پیروسی نیک چلنی اور پاکیزگی ظاہر نہیں کرتے جو مسیحی دین سکھاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ اعتراض

گناہوں کے سبب مستوجبِ سزا ہے۔ اس رسالہ میں ہم نے ذرا طوالت کے ساتھ کسی جگہ اس امر پر بحث کی تھی اور دکھایا تھا کہ نبی آدم میں سے ہر ایک خواہ کسی فرقہ اور قوم کا کیوں نہ ہو خدا کے نزدیک گنہگار ہے اور یہ بھی کہا تھا کہ کتاب ہذا محض گنہگاروں کے فائدہ اور ہدایت کیوٹی لکھی گئی ہے۔ اگر بعض محال کوئی اور ایک بھی ہو تو گنہگار کو اُس سے کیا فائدہ۔ وہ تو گنہگار ہے جسے نجات حاصل کرنا ضروری ہے کیونکہ اُس نے اپنے خالق اور مالک اور سب سے بڑے مربی اور مہربان سے بغاوت اور بیوفائی کی ہے۔ یہ کہنا سجا اور حق ہے کہ زمین پر ہر ایک رہنے والا خدا کے نزدیک گنہگار ہے اور کہ ہر ایک زمانہ اور ہر ایک وقت میں یہ دنیا گنہگاروں سے ہی آباد رہی ہے اگر خدا کا انصاف ایسی باغی اور گنہگار قوم پر اپنی تیر تلوار چلاتا تو تعجب نہیں تھا نہ کوئی مشکل یا اہوئی یا ناجائز بات ہوتی پر ایسے گنہگار باغی قوم کو سچا نا اور عدل کے ہاتھ سے نکالنا کیسی مشکل اور دشواریات ہے۔ اگر انسان جو گنہگار ہے کسی صورت سے بچ جائے اور اُسکے ہاتھ کوئی ایسا طریقہ لگ جائے جس سے وہ بچ سکتا ہے تو مناسب بلکہ ضروری ہے کہ وہ اُسے جلدی اور مضبوطی سے پکڑے ورنہ اپنی سزا اپنی گردن پر پیکر ہلاکت کی دلدل میں دھس جائیگا۔

ظاہر ہے کہ کل دنیاوی مذاہب نجات کے صرف تین طریقہ بتاتے ہیں۔ یعنی نجات کو محض بخشش کہتے ہیں۔ یعنی یہ کہ خدا یوں ہی بخشدیگا۔ کیونکہ وہ مہربان اور بخشنہار ہے۔ بعض نجات کو توبہ پر موقوف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خواہ انسان نے کیسے ہی گناہ کیوں

نہ کئے ہوں جب توبہ کرے تو خدا اُسکے گناہ فوراً بخش دیتا ہے۔ بعضے کہتے ہیں کہ نجات عفت پروقوف ہے یعنی کہ اگر اللہ کا کوئی پیارا خدا سے کہدے کہ یہ گنہگار میری امت ہے میں اُسکی شفاعت کرتا ہوں اُسکو معاف کر دے اور بخشدے تو اللہ تعالیٰ اُس شخص کے گنہگار کی خاطر اُس گنہگار کو بخش دے گا۔ اور چوتھی صورت یا وسیلہ جسے خدا تعالیٰ کا بھیجا ہوا دین بتاتا ہے کفارہ ہے یعنی یہ کہ خدا کے عدل کے سامنے کوئی کامل اور کافی عوضی ہو جسے عدل قبول کرے اور گنہگار کا عوض اُس سے لیے +

اب ہم چاروں طریقوں کا مفصل ذکر کرتے ہیں اور ہر چند کہ ہم کسی خاص اندب کی طرف اشارہ کرنا نہیں چاہتے تو بھی یہ کہتے ہیں کہ ہمارے ملک میں کوئی ایسا مذہب نہیں ہے جو ان میں سے ایک نہ ایک طریقہ نجات کا نہ بتاتا ہو۔ اور اگر وہ طریقہ غلط ثابت ہو جائے تو گنہگار کے لئے وہ مذہب بھی غلط اور ناکارہ ثابت ہو جائیگا +

تین اول الذکر طریقوں میں ایسے ایسے بھاری اور اہل مشکلات اور اعتراض اڑتے ہیں کہ انکو دور کرنا محال ہے چنانچہ ہم ذیل میں چند کا بیان کرتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ یہ طریقہ خواہ بظاہر کیسے ہی بھلے اور پریشانی کیوں نہ معلوم ہوں نہ صرف حقیقتاً غلط بلکہ بالکل شیطان کے فریب کے طریقے ہیں۔ اور ضرور ہے کہ گنہگار اُن کی بابت ذیل کا بیان پڑھکے ہوشیار ہو جائے +

اول۔ اگر نجات محض بخشش پروقوف ہو اور گنہگار یونہی یا توبہ کرنے یا شفاعت سے

کرتے ہیں اور اُنکا مقابلہ اُن لوگوں سے کریں جو اور اور مذہبوں کے موافق زندگی کاٹتے ہیں تب معلوم ہوگا اول الذکر آخر الذکر کے مقابلہ میں سچی پاکیزگی اور پورے نورانی اصولوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ ایک اور ضروری بات یہ ہے جسے ہمیشہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کا مسیحی اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کے اور مذہب والوں سے زیادہ روحانیت اور تقدیس رکھتا ہے۔ اس بات میں جسے کلام ہو وہ تجربہ کر کے دیکھ لے +

بعض اس قسم کا اعتراض نہیں کرتے بلکہ تسلیم کر لیتے ہیں کہ مسیحی دین فی الحقیقت چشمہ نور ہے۔ پر ساتھ ہی یہ کہتے ہیں کہ یہ دین انسانی خوشیوں اور آسائشوں کو ایسا محدود اور مقید کرتا ہے کہ درستی کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اس دین کے احکام سخت اور بجا ہی ہیں کیونکہ وہ پورے اور کامل فرمانبرداری سے ذرہ بھی کم ہو تو اُسے قبول نہیں کرتے پاسبیوں کو ہم یہ جواب دیتے ہیں کہ نبی نوع انسان کیواسطے جو خوشی اور آسائشیں ضروری اور مفید ہیں اُنکی بابت یہ دین کامل آزادی دیتا ہے۔ اور اور چیزوں کی نسبت قیود لگاتا ہے دانا حکیم جانتا ہے کہ مریض کو کیا کھانا اور کیا کرنا چاہئے اور کن کن کاموں اور چیزوں سے پرہیز کرنا لازم ہے۔ پس وہ اُس کیواسطے قیدیں لگاتا ہے کہ یہ کر وہ نہ کر یہ کھا وہ نہ کھا وغیرہ مسیحی دین بھی بھیک ایسا ہی کرتا ہے مثلاً مسیحی دین کہتا ہے کہ انسان کو ذی عقل ہو کے جانوروں کی طرح نہیں رہنا چاہئے مسیحی دین اُن خوشیوں سے منع کرتا ہے جو بظاہر خوشیوں میں معلوم ہوتی ہیں۔ پر فی الحقیقت لوگوں کی روحوں اور جانوں کیواسطے زہر ہلاہل کا اثر رکھتی ہیں پس

انکی بابت یہ ممانعت کرتا اور کہتا ہے کہ کھانا نہیں چکھو نہیں۔ انکے سوائے اور ہر ایک امیریں پوری آزادی ہر ایک شخص کو دیتا ہے۔ اگر مریض یہ سمجھے کہ حکیم مراد میں ہے اسلئے کہ وہ مجھے ہر ایک کام کرنے اور ہر ایک چیز کھانے کی ممانعت کرتا ہے تو خیر اسکی مرضی حقیقت میں تو حکیم کی دانائی اور محبت ہے جو اس امتناع سے ظاہر ہوتی ہے۔ ویسا ہی اگر کوئی کہے کہ سچی دین بڑا بڑا دین ہے اسلئے کہ یہ مجھے ہر ایک کام کرنے اور ہر ایک خوشی سنائیگی اجازت نہیں دیتا جسے میرا دل چاہتا ہے تو اسکی مرضی سچی دین پر کوئی الزام عاید نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ ان چیزوں کی اور صرف ان ہی چیزوں کی قیود لگاتا ہے جو حقیقت میں انسان فائدہ کی نہیں بلکہ اسکے نقصان کی ہیں۔

القصہ کون اور ایسا دین ہے کہ انسان کے دل کو خدا تعالیٰ کے خوف اور محبت میں ایسا قائم کرتا جیسا کہ خداوند یسوع مسیح کا دین۔ پس مناسب ہے کہ اس دین میں ہو کے خدا باپ اور روح القدس پر ایمان رکھیں جو خدا کے واحد ہے جو ایمان کا مدعا اور انجام ہے۔

فصل ششم

گنہگار کی نجات کا وسیلہ

اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ بنی نوع انسان میں سے ہر فرد و شہر گنہگار ہے اور اپنے

کہ لوگ اور زیادہ گناہ کرنے کی جرأت پائیں گے۔

یہ چند اعتراض اور مشکلات تو ان وسائل پر لاحق ہوتے ہیں درحالیکہ معافی محض مقصود ہے نجات میں تو معافی محض ہی نہیں بلکہ اس سے بڑھکے یہ بھی شامل ہوا کرتا ہے کہ گنہگار اپنے گناہوں کی معافی کامل حاصل کر کے آپسی رضامندی بھی حاصل کرے اور آسمان وزمین کے خدا اور بادشاہ کا لیا لک بیٹا۔ دوست اور مصلح بھی بن جائے۔ اگر یہ نہ ہو تو دنیا بھر میں کوئی اور شہر انسان کو حقیقی خوشی نہیں دے سکتی۔ اس صورت میں متذکرہ بالا مشکلات سے زیادہ بڑی اور بھاری مشکلات اڑتی ہیں۔ اگر گنہگار گناہ کی نہ صرف معافی حاصل کرے یا اسکی سزا نہ پائے بلکہ اسکے برعکس آسمانی بادشاہ کی قربت و صحبت میں رہے اور پوری خوشی حاصل کرے تو کیا اس صورت میں خدا کے عدل پر کالے بادل کا سایہ نہیں اڑتا اور کیا اسکے پاک قانون اور سلطنت کی بے عزتی اور تحقیر نہیں ہوتی۔ اور کیا یہ امر سچا ہے اسکے کہ گناہ کی بدی کو اور اس نفرت کو جو قدوس خدا اس سے کھتا ہے ظاہر کرے یہ زیادہ گناہ کرنے کی جرأت نہ دے گا۔ کیا اس سے خود خدا کے قدوس اور

حاشیہ

بعض کہتے ہیں کہ گنہگار ایک مدت تک سزا پائے گا۔ پھر اس کی مخلصی ہو جائیگی یہ بات غلط ہے کیونکہ گناہ لا محدود سزا کا مستحق ہے اسلئے کہ لا محدود خدا اور خصوصاً اسکی لا محدود محبت اور سلطنت کے خلاف ہے۔

ایم حنیف

احکم الحاکمین کی ذات و صفات پر بھاری عیب نہیں لگتا +

بعض کہہ کرتے ہیں کہ جیسے انسان کا فرض ہے کہ اوروں کے قصور معاف کرے اور جس طرح یہ ایک خوبی ہے کہ انسان اپنے مجنوں کے گناہ سے درگزرے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا بھی فرض اور خاصہ ہے کہ جسے چاہے بخش دے بلکہ یہ ایک الہی فضیلت ہے کہ انسان کے گناہوں کو معاف کر دے۔ مگر یہ خیال بالکل غلطی اور بے سمجھی پر مبنی ہے کیونکہ ہمارا اور خدا کا وہ رشتہ نہیں ہے جو ہمارا اور ہمارے مجنوں کا ہے۔ اگر کوئی مثال اس رشتہ کو جو خدا اور آدمی میں ہے ظاہر کرے تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ خدا ہمارا حاکم ہے اور ہم اس کی رعیت۔ حاکم کا فرض ہے کہ اپنی سلطنت اور قانون کی عزت اور فائدہ عامہ کو مد نظر رکھے۔ پس اگر وہ کسی مجرم پر ناجائز مہربانی یا رحم کرے تو وہ اپنی عدالت حکومت اور قانون کی بے عزتی کرتا ہے اور ممکن ہے کہ صرف اس ایک مہربانی سے بڑا بھاری نقصان ہو جائے اور لوگ بجا سے بدی سے باز رہنے کے اُگے کرنے کی زیادہ جرأت پائیں۔ یہی خدا کا خاصہ ہے جب عدالت تقاضا کرے کہ مجرم کو سزا دی جائے اور رحم کے وسیلہ وہی مجرم چھوڑ دیا جائے تو کون ذہنی عقل کہہ سکتا ہے کہ عدالت قائم اور بے عیب رہی جیسا یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ جو ابدی اور ازلی زندگی کا چشمہ ہے۔ یا یہ کہ خدائے قدوس گناہ کرے ویسا ہی یہ بھی ناممکن ہے کہ وہ اپنی بتوہ صفات میں سے کسی کا خون کر کے دوسرے کو ممتاز کرے۔ انسان کے دل کا قریب اُسے رغیب دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ محض رحیم باپ

چھوڑ دیے جائیں تو خدا کا عدل ٹوٹ جاتا ہے۔ عدل کے معنی یہ ہیں کہ جو جس کا حق ہو وہ اُس کو دینا۔ اگر عدل تقاضا کرے کہ گنہگار کو سزا دی جائے تو سزا دینا ضروری ہے چنانچہ عدل مقتضی ہے کہ ہر فرد بشر کو اُسکے اعمال کے مطابق بدلہ دیا جائے۔ تو ضرور ہے کہ ایسا ہی کیا جائے ورنہ عدل عدل نہیں رہا۔ مثلاً اگر دنیاوی حاکم کسی مجرم کو جو اسکی عدالت میں پیش کیا جائے اور اسکی عدالت میں ثابت ہو جائے کہ وہ حقیقت میں مجرم ہے اور پھر بھی وہ حاکم اُس مجرم کو یونہی چھوڑ دے یا جب وہ کہے کہ اسی حاکم میں مجرم تو ضرور ہوں پر آئندہ کیواسطے توبہ کرتا ہوں۔ اب مجھے سزا نہ دے آگے ایسا کام نہ کرونگا یا حاکم کسی اپنے یار کی سفارش مانگے اُس مجرم کو چھوڑ دے تو صاف ظاہر ہے کہ اُس نے انصاف کا خون کر دیا۔ اور اپنے منصبی فرائض کو جو بحیثیت حاکمی اُس پر تھے بالکل بھول گیا ایسا حاکم الہی دل کے نزدیک بے انصاف ظالم اور بے ایمان کہلاتا ہے جس سے لوگ نفرت اور حقارت کرنے لگتے ہیں۔ پس اگر خدا جو احکم الحاکمین ہے ایسا کام کرے تو وہ کتنا زیادہ بے انصاف اور بے عدل حاکم کہلائیگا۔ اور دنیا کے نزدیک کیونکر مستباز اور صادق ٹھہر سکیگا۔ اور کیونکر بدی کا دشمن ظاہر ہوگا +

دوم۔ اگر وسائل متذکرہ بالا سے گنہگار کی نجات ہو جائے تو الہی سلطنت اور قانون کی کیا عزت ہوگی۔ اُس سرکار کے قانون کی کیا قدر ہے جسے جو جب چاہے بلاتال عدول کرے۔ اُس حکم کی کیا قدر ہے جو کسی کی مرضی پر موقوف ہو کہ جیسا چاہے ویسا سلوک

اُس سلطنت کی خاک عزت ہر جسکی بغاوت جو چاہے کرے۔ اور پھر بھی سزا نہ پائے بونا
میں کوئی ایسی سلطنت ہو جو ایسا کر کے قائم رہ سکتی ہو۔ اگر دنیاوی سلطنتیں اور ریاستیں
اپنی عزت اور وقار کو قائم رکھنے کی واسطے ضروری سمجھتی ہیں کہ مجرم ضرور ہی ضرور سزا پائے
تو کتنا زیادہ اخلاقی سلطنت کا حاکم اور مقنن اپنی پاک حکومت اور بے عیب قوانین کی
عزت کو مد نظر رکھے گا +

سوم۔ اگر ان وسائل سے گنہگار کی نجات ہو جائے تو کیونکر فائدہ عامہ ہو جائیگا۔
اور ظاہر ہے کہ فائدہ عامہ ہر ایک اچھی حکومت کی خاص غرض ہے۔ فائدہ عامہ سے مراد
نہ صرف انسان کی بھلائی اور یہودی ہو بلکہ بیشتر اور دنیاؤں کے ذہنی مخلوق کی
بھلائی مقصود ہے جسکے مقابل ہمارے اس چھوٹے سے گڑھ ارض کے رہنے والوں کی بھلائی
کی وہی نسبت ہے جو فائدہ عامہ کی شخصی فائدہ سے ہے۔ گناہ کی خاصیت یہ ہے کہ جہر
اسکی تاثیر جاتی ہے وہاں بربادی اور بد حالی پھیل جاتی ہے۔ پس ظاہر ہے کہ جب تک گناہ
سے پوری عبرت نہ دیجائے تب تک فائدہ عامہ مفقود نہ ہوگا۔ یعنی جب تک گناہ کی
سخت سزا نہ دیجائے ایسا کہ سب دیکھنے والے اُس سے ڈریں تب تک فائدہ
عامہ ہو نہیں سکتا نہ لوگ گناہ کرنے کی جرأت سے باز رہ سکتے ہیں۔ پس اگر
گنہگار یوں ہی چھوڑ دیا جائے یا کسی کی سفارش سے چھوڑ دیا جائے تو نتیجہ
کیا ہوگا۔ کیا بجائے اس کے کہ گناہ کرنے کی جرأت کو روکا جائے بیشتر ایسا ہوگا

کی طرح نظر کرے اور یہ نہ سمجھے کہ آیا اسے اپنی قدوسیت اور حکومت کا بھی پاس ہو یا نہیں۔
جیسا یہ سچ ہے کہ اللہ رحیم ہے ویسا ہی یہ بھی سچ ہے کہ وہ قدوس اور عادل ہے پس ضرور اور
بالکل ضرور ہے کہ قادر مطلق خدا اپنی قدوسیت اور عدل کو ظاہر کرے اور انکو تحقیر کئے جانے سے
محفوظ رکھے۔ ضرور ہے کہ وہ گناہ کو اسکی بدی اور بدنتائج سمیت ظاہر کرے۔ اور اسکی پوری سزا
دے تاکہ اور دن کو جرات کرنے کا موقع نہ رہے۔ اگر گناہگار کی معافی کا کوئی وسیلہ ہو تو ایسا ہونا
چاہئے کہ خدا کی ذات و صفات پر ذرہ سا بھی الزام نہ لگے اور اسکی سلطنت اور شریعت کی پوری عزت
قائم رہے ورنہ یہ ضرور ہے کہ سب برباد اور ہلاک ہوں نسبت اسکے کہ الہی ذات و صفات پر عیب لگے
مشکلات ایسی ایسی ہیں۔ دنیا کے سارے داناؤں کو جمع کرو اور ان سے پوچھو کہ ان مشکلات کو دور
کر کے انسان کی نجات کا کوئی طریقہ بتاویں۔ فرشتوں کو بھی جمع کرو اور ان سے پوچھو اور تم کو پوچھو
کہ سب کے سب دم بخود ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ جب فرشتوں نے آدم کو گناہ کرنے کے بعد کھیا
توحیران اور نالہ کناں رہ گئے ہونگے کہ ہائے ہائے یہ شخص بمعہ اپنی کل فسل کے بد حالی اور کم خمتی کا
شکار ہو گیا۔ ان کو بھی اس بات کا خیال بھی نہ آیا ہوگا کہ جو آسمان اور زمین اور کروہیں اور سر زمین میں
سب سے اور سب کا پیار ہے اور جو جلالی شخص آسمان کے تخت پر خدا کی گود میں رہتا ہے۔ جو موجودات
اور کائنات کا خالق ہے وہی شخص انسان کی صورت بن کر دنیا میں جاسکا اور گنہگار کا ذریعہ ہو گئے گنہگار
کی طرح مر گیا کہ انسان کو جو ذات میں فرشتوں سے کم درجہ کا مخلوق ہے سچا ہے۔ بلکہ اگر یہ خیال انکو
کسی صورت سے آیا بھی ہو تو کفر اور الحاد معلوم ہوتا ہوگا +

چس کام کو دنیا کے سارے عاقل اور عالم اور فرشتے ملکر نہ کر سکے جس کام میں سب کی عقلیں حکم کرکھا گئیں وہ کام اللہ سے ہوا۔ اسی سارے آسمانوں کا وہ خدا نے یہ کیا اور بلکارو اسی زمین کے گہرائیوں بھولے نہ سماؤ اسی پہاڑوں اور جنگل اور اسکے سب درختوں کو خداوند نے یعقوب کو نجات دی اور اسرائیل میں آپ کو صحرایہ کیا۔ یسعیاہ ۴۴: ۲۳۔ خدا کی تدبیر کو آگے سارے پہاڑ میدان ہو گئے اور ساری مشکلات کا فور ہو گئیں۔ جو راہ آدمی نہ نکال سکا وہ اللہ نے نکالی۔ اسی نے ایک ایسی راہ نکالی جس میں گنہگار کو پوری نجات دے سکتا ہے اور بھی عادل ٹھہرتا ہے جس میں اسکی صفات اور ذات پر کوئی شبہ نہیں لگتا۔ نہ اسکی سلطنت پر کوئی الزام آتا ہے کیونکہ خدا فی جہان کو ایسا پیدا کر لیا کہ اپنا اکلوتا بیٹا بخشا تاکہ جو کوئی اُس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے۔ یوحنا ۳: ۱۶۔ اگر ہمیشہ بخش اللہ تعالیٰ عطا نہ کرنا تو سب کے سب برباد ہو جاتے پر اب دروازہ کھلا ہے جو اسکے بیٹے ربنا عیسیٰ مسیح پر ایمان لانا ہے نہایت عزت و جلال کے ساتھ نجات پاسکتا ہے۔ خوبی یہ ہے کہ اس وسیلہ کے سامنے جتنے اعتراض اور مشکلات تھیں وہ سب کی سب دور ہو جاتی ہیں چنانچہ ذیل میں اجمالاً ذکر کیا جاتا ہے۔

اول ایک مشکل یہ تھی کہ خدا نجات کے معاملہ میں دنیا کا حاکم اور بادشاہ ہے اور ممکن نہیں کہ وہ اپنی حکومت سلطنت اور عدالت کی تعزیتی کر لے۔ اور گناہ نگار کو بے سزا چھوڑ دے۔ بلکہ ضرور ہے کہ وہ ایسی سزا دے جس سے اسکی سلطنت اور قانون کی عزت قائم رہے۔ کیونکہ سزا کا ال مطلب یہی ہوتا ہے کہ اوروں کو عبرت ہو اور سلطنت اور قانون کی عزت اور توقیر ہو۔ پس اگر اُس سزا میں

جو خدا کا عدل گنہگار کو دے یہ دونوں مطلب پورے ہوں تو یہ ایک ادنیٰ وجہ کی اور چھوٹی ہی بات ہے کہ آیا مجرم کو خود یا اسکے عوض اسکے ضامن کو سزا دی جائے اور کہ آیا وہی سزا دی جائے جو قانون حاشیہ: خداوند یسوع ابن اللہ کی الوہیت کے مسئلہ کو چھوڑ کے شاید اور ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے جسے لوگ ایسا ناپسند کرتے ہیں جیسا کہ مسئلہ کفارم کو۔ گو وہ اس الہی راہ کو جس سے گنہگاروں کی نجات ہو جاتی ہے کیسا ہی ناپسند کیوں نہ کریں پھر بھی روزِ مرہ کے برتاؤ میں اسی مسئلہ کو نہ صرف مانتے بلکہ اُس پر عملدرآمد بھی کرتے ہیں۔ بیماری اور آفت کے وقت لوگ جانوروں کو صدقہ اور قربانی دیتے ہیں اور اس سے کھانسی مضمون متواتر ہے کہ بیماری یا آفت لوگوں پر سے اُٹلے جانور پر چارے بعض وقت جانور سائین میں پھرایا جاتا ہے اور جنگل میں چھوڑ دیا جاتا ہے مثلاً کال یا مرضی کی وقت جس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ جانور سارے شہر کی ہلاکوائے اور بے لیتا ہے اور وہ لوگوں سے جاتی رہتی ہے بعض اوقات اور عموماً اس وقت جبکہ کوئی اور صورت باقی نہ رہے جانور مارے جائے جس سے صاف یہ مراد ہوتی ہے کہ وہ جانور جو مارا گیا لوگوں کی آفت اور سزا کو اٹھائے گویا مرگیا اور وہ آفت یا سزا کو گنہگار سے اُٹل گئی صرف ہمارے ملک کا ہی یہ دستور نہیں ہے بلکہ تخریب دنیا کے زمینوالی ہر ایک قوم میں رجوا دنی سے ادنیٰ اور اعلیٰ سے اعلیٰ ہوا استثنائاً یہ قربانی کا مسئلہ پایا جاتا ہے ہمارے ملک ہند میں تو کیا عرب۔ روم۔ چین۔ جاپان۔

کہ تھی یا اس کے برابر دوسری اور سزا دی جائے۔ اور ظاہر ہے کہ سزا کی قیمت اس شخص پر
 وئی ہے جو سزا پائے مثلاً تھوری ہی سزا جو اشرف کو دی جائے اس بہت سی سزا کے
 کا شیعہ افویقہ اور امریکہ کے محمدی اور جوشی اقوام اور تمام یورپ میں یہ سزا مانا جاتا
 ہے۔ اہل ہند تو عموماً اس سے انکار نہیں کرتے پر ہمارے ملک کے بعض مجرمی صفا
 اس پر حرف گیری کرتے ہیں کہ گویا کفارہ کا مسئلہ خدا کی عدالت کی شان کو غلام
 ہے ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ پھر قربانی اور صدقہ کیوں کرتے ہیں اور عید قربان خاص
 اسی واسطہ کیوں تقرر کی گئی ہے کیا اتنے ہزار جانور محض اس بات کی یادگاری ہیں
 ہلاک کئے جاتے ہیں کہ ایک شخص ابواہام نامی تھا جس نے خدا تعالیٰ کے کئے سے
 جیسا کہ حضرت موسیٰ اور بہت سے انبیاء اور مجتہدین کا بیان ہے کہ اپنے بیٹے اشفاق
 کو اور قبل بعضے جسکی تکذیب خدا کا کلام کرتا ہے، اسکا عجل کو قربانی کرنے کا
 ارادہ کیا تھا۔ اگر محض اسی بات کی یادگاری ہے تو کیوں ایسا کیا جاتا ہے کہ کوئی کبیرا
 فرض بنایا ہے اس سے کیا فائدہ مقصود ہے کہ ہر ایک جسے توفیق ہو یہ کام ضرور کرے
 پھر اسکے ساتھ پھر اسی سے گذرے وغیرہ کا خیال کہو کر لگا دیا کیوں لوگ اس
 جانور کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہیں جو فوج کے جانے پہنچتا ہے۔ اس سے انکی کیا مراد
 ہوتی ہے۔ کیا یہی نہیں کہ ہاتھ رکھنے والے کے گناہ جانور پر چلے جائیں جیسا دوسرا
 شخص جو ان پر صدقہ واجب قلم کو ہاتھ لگا دیتا ہے تو اسکے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جو

برابر بلکہ اس سے زیادہ ہوتی ہے جو کسی گنوار کو دی جائے گھڑے کو چابک گدھے کو لٹھ۔ پہلے
 آدمی کو تو کبیر یا بدعاش کو گالی دینے سے بدتر ہے۔ نازک کو ایک تھپر لگانا گنوار کو بد لگانے
 بقیلہ حاشیہ قلم لکھیں سو گویا میرا ہے۔ ویسا ہی جب جانور کے سر پہ ہاتھ رکھتے اور اسے مارتے ہیں
 تو کیا اس سے مفہوم نہیں ہوتا کہ جانور کی موت گویا اسکی موت ہے جس کی طرف سے
 اور جسکے عوض وہ مارا جاتا ہے جب اس سے کچھ مقصود ہی نہیں تو پھر انکا کام
 کیوں کیا جاتا ہے۔ اور جب کوئی بہار قریب المک ہو جاتا ہے تو اسکے سر پر ہاتھ کیوں جانور
 باندھنے کی وجہ کیا جاتا ہے جو عنک لک شخصی طور پر خواہ اس مسئلہ سے کتنی ہی کنارہ کشی
 کریں اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ یہ مسئلہ عالمگیری ہے اور اپنے عالمگیر ہونے
 سے اس امر کو صاف ظاہر کر رہا ہے کہ فطرتی اصولوں نے جو انسان کی ذات پر لکھا
 اس کو اس بات پر مجبور کیا ہے کہ اسے نہ صرف تسلیم کرے بلکہ اس کو اپنے روزمرہ کے
 برادریں بھی لائے۔ خواہ کوئی شخص سچل کا مخالف ہو کہ اس مسئلہ کی مخالفت
 کیوں نہ کرے اس سے کچھ فائدہ نہیں جب تک کہ اسکی عالمگیری کو کسی اور صورت
 یا اصول پر قائم نہ کرے۔ اور دکھا دے کہ اس سبب سے لوگوں نے اس مسئلہ کو قبول کیا
 مسئلہ کفارہ جیسا کہ اوپر مذکور ہے دینا میں رائج ہے اور صاف ظاہر کرتا ہے کہ
 اسبان نے فطرتی طور پر اسے تسلیم کیا تو ایک اور امر بھی یہاں سے پیدا ہوتا ہے کہ جانور
 انسان کا عوضی یا اسکے بدلے قربان کیوں کیا جاتا ہے۔ کیا حیوان مطلق کو کوئی ایسی

سے زیادہ دکھ دیتا ہے۔ پس چونکہ مسیح بے حد اہی محبت کا نہ تھا اُسکی بھڑی سی دیر کا دکھ سارے گنہگاروں کے ابدی عذاب سے زیادہ قدر رکھتا ہے۔ پس اگر ایسے شخص کو جسے خدا تعالیٰ

بقیہ حاشیہ خاص خوبی فطرتی طور پر حاصل ہے کہ وہ اشرف المخلوقات کے واسطے کفارہ ہو سکے۔ یہ تو بعید القیاس بات ہے کہ ایک آدمی درجہ کا شخص اعلیٰ درجہ کے شخص کی ضمانت دے اور وہ ضمانت قبول کی جائے۔ پس ممکن نہیں ہے کہ طرح طرح کے جانور جو قربانی کے جاتے ہیں انسان کے عوض کفایت کریں۔ اور اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہ سب کے سب حقیقی اور کامل اور مقبول قربانی یعنی خداوند مسیح کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ جو نہ صرف انسان ہونکی حیثیت سے انسان کے برابر ہو کے اُسکا عوضی اور ضامن ہو سکتا ہے بلکہ اللہ ہونکی وجہ سے اُس سے بڑا اور اعلیٰ تر ہو کے تھا کامل اور کافی قربانی ہو جس کی طرف ساری قربانیوں اپنے خون سے ہر کر کے اشارہ کرتی ہیں یہ تو صرف ایک صورت ہوئی۔ ہم اب دوسری کا ذکر کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہی مسئلہ ایک اور طور پر دنیا میں ہم کو ضروری ماننا پڑتا ہے مثلاً ایک بادشاہ کی دوسرے بادشاہ کے ساتھ کسی بات پر لڑ جائے تو مناسب یہ تھا کہ وہ دونوں جسطح چاہیں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ سمجھ لیں۔ پر ایسا نہیں ہوتا۔ ایک بادشاہ دوسرے پر چم غفیر لیکے حملہ کرتا ہے۔ ہزار ہا سواریندگان خدا کا خون ہو جاتا ہے درحالیکہ خود بادشاہ صاحب کو بیچ تک بھی نہیں لگی ہوتی۔ فرید براں رعیت تباہ

بے انتہا پیار کرے اُس گناہ کے سبب جو اُسے خود نہیں کیا بلکہ جو گنہگار کا ضامن اور عوضی ہونے سے اُس پر پڑا آپ سے سزا دی جائے تو اس سے بڑھ کے خدا کے قدوس کی نفرت اور عداوت

بقیہ حاشیہ ہو جاتی ہے۔ مخالف فوج لوٹ کھسوٹ کرتی ہے۔ ملک میں اُن زیادہ لوگوں کو واسطے جو لڑائی کے سبب آجاتے ہیں پہلے سے اسباب رسد و سامان وغیرہ مہیا نہیں ہوتا اکثر بھاری قحط ہو جاتا ہے جس سے ہزار ہا لوگ مر جاتے ہیں۔ اور ہر لوگوں کا یہ حال اُدھر بادشاہ کی سُن لو کہ وہ آرام سے اپنی حفاظت گاہ خاص میں ہوتا ہے خواہ اُس کے دل پر کیسا ہی فکر کیوں نہ ہو جان سے محفوظ ہوتا ہے اور اُس کے واسطے ہر ایک مطلوب شے مہیا ہوتی ہے۔ پس کیا سچ نہیں ہے کہ اتنے لوگ محض بادشاہ کی خاطر مارے گئے تاکہ بادشاہ بچ جائے۔ یہاں سے مسئلہ کفارہ یا عوضی ہونے کو کس قدر تقویت ہوتی ہے۔ اب ایک اور پہلو دکھو۔ عدالتوں میں اکثر کیا ہوتا ہے۔ قرض خواہ قرضدار پر نالش کرتا ہے۔ عدالت ڈگری دیتی ہے اور اگر وہ روپیہ نہ دے تو قید میں جانے پر ہوتا ہے۔ پر ایک اور شخص آ کے اُسکا ضامن مانتا ہے یا اُسکے عوض قرض بھرتیا ہے اور عدالت سے قرضدار کی بریت کا حکم صادر کیا جاتا ہے۔ اسلئے کہ از روئے عدالت قرض بھردیا گیا۔ یہ کچھ بھی ضرور نہیں کہ قرضدار نے خود قرض بھردیا یا اُسکے عوض کسی اور نے۔ اگر قرضدار کو حق مل گیا تو عدالت کے واسطے یہی کافی ہے۔ ہاں ایک بات ضروری ہے کہ روپیہ ادا کرنے والا فی الحقیقت اپنے روپیہ کا مالک اور مجاز ہو کہ جس طرح چاہے اُسے صرف کرے۔ اور رضائے خود

جو وہ گناہ سے رکھتا ہے اور اس کے قانون اور سلطنت کی عزت اور بزرگی اور اس کی عدالت اور قدسیت کی تحلی اور کیونکر ظاہر ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ جس نے اپنے تخت جگر کو جسے وہ بے حد پیار کرتا تھا محض اپنے

قبیلہ حاشیہ: قرضدار کے عوض روپیہ ادا کرے۔ اگر یہ سب باتیں پوری ہوں تو اور کوئی بات ضروری

نہیں ہے۔ پس جب کہا جاتا ہے کہ مسیح خداوند نے جو حقیقت میں خود اپنی ذات میں اپنا مالک تھا تو کیوں اعتراض ہوتا ہے اور کیوں الزام لگایا جاتا ہے۔ کیا میرا اختیار نہیں ہے کہ اپنے

مال سے جو چاہوں کروں پس اگر میں رحم کھا کے کسی کے بدلے اپنے مال کو خرچ

کروں تو کیا میں قابل الزام ہوں سرگز نہیں۔ پس جب خداوند مسیح نے جو خالق ہونے کی

وجہ سے اپنے جسم اور جان کا پورا مالک تھا گنہگاروں پر ترس کھا کے اُسے دیکھا کہ

ہم لوگ آہی غضب اور دوزخ کی قید سے بچ جائیں اور عدالت کا تقاضا پورا ہو جائے

تو کیا اُس پر الزام لگ سکتا ہے۔ جیسے کسی کا مال زبردستی لے لینا ناجائز ہے ویسا

ہی اگر مسیح زبردستی مارا گیا تو اور بابت ہے۔ پر اس کی تمام تاریخ اور خصوصاً تظلیب کے

واقعات کو پڑھ کے کون غافل کہہ سکتا ہے کہ وہ زبردستی پکڑا اور مارا گیا۔ بلکہ وہ تو خاص

اسی کام کے لئے دنیا میں آیا تھا۔ جب سچ سچا تھا اس وقت اُس نے صاف کہا کہ

میرا اختیار ہے کہ اپنی جان لوں اور میرا اختیار ہے کہ اُسے دوں۔ یوحنا ۱۰: ۸۔ چنانچہ

جب پلاطوس حاکم نے جو مطلق العنان حاکم تھا اور اگر چاہتا تو اسے چھوڑ دیتا

بلکہ چھوڑنا چاہتا تھا۔ یسوع خداوند کی خاموشی کو دیکھ کر اُس سے سوال کیا کہ کیا تو

کہ وہ گنہگار کا ضامن ہو کے گنہگار کی جگہ عدالت میں حاضر ہوا ایسی سزا دی کہ اُسے جان سے مار دیا جسے سورج دیکھے اندھیر ہو گیا اور فرشتوں نے عالم بالا میں ماتم کیا آسمان اور زمین

بقیہ حاشیہ: مجھ بھی جواب نہیں دیتا کیا مجھے معلوم نہیں کہ میرا اختیار

ہم کہ مجھے صلیب دے دیں یا نہ دیں۔ تو خداوند نے اُسے جواب دیا۔ دیتا

کچھ اختیار مجھ پر نہیں۔ سو اُن کے جواب پر بھی مجھے صلا ہو۔

جس کام کے کر نیکی واسطے وہ دنیا میں آیا تھا جب صلیب پر اُس نے وہ کام پورا

کیا تو کہا کہ پورا ہوا یعنی وہ کام جو میں کرنے کو آیا اب پورا ہو گیا۔ جو فرض میں

ادا کرنا چاہتا تھا اب ادا ہو گیا۔ گنہگاروں کی معافی جو میں چاہتا تھا

اب حال ہو گئی۔ اُنکی مخلصی کی جو راہ میں نکالنا چاہتا تھا اب کل گئی خدا کے

غضب کو جو میں گنہگاروں سے ماننا چاہتا تھا اب مل گیا۔ میں نے اُسے اپنی

جان پر لے لیا۔ میں گناہوں کا کفارہ ہو گیا۔ گناہ کی سزا جو موت ہے میں نے اپنے اوپر

لے لی کہ گنہگاروں کے واسطے زندگی کی راہ نکالوں۔ انصاف اور رحم دونوں مل

گئے۔ عدالت و صداقت آپس میں بوس و کنار ہو گئیں۔ خدا کا عدل اور رحم جو آپس میں

ضدین معلوم ہوتے تھے اب ایک دوسرے کے متحد اور موافق ثابت ہو گئے۔ عدالت

کا تقاضا بھی پورا ہو گیا اور گنہگار کی نجات بھی ہو گئی سب کچھ پورا ہو گیا۔

ایم حنیف

تھر تھرا گئے اور تمام جہان دھواں دھار ہو گیا۔ ہم کہتے ہیں جب خدا نے اُسے ایسی سزا دی تو اور کونسا طریقہ جس سے خدا تعالیٰ کی عدالت صداقت اور قدوسیت اور جلال ظاہر ہو۔
علاوہ ازیں مسیح خداوند شریعت کی حدود و قید سے باہر تھا اور اللہ ہونے کی وجہ سے یہ کچھ بھی ضرور نہ تھا کہ وہ اُس شریعت کے پابند ہو جو انسان کو دی گئی پر کچھ بھی شریعت کے پورا اور کامل تابع ہوا اور اُسے بالکل پورا کیا نہ اسلئے کہ اُسکا کچھ فائدہ ہو بلکہ اس لئے کہ یہ ثواب جو اُس نے کمایا تھا اور یہ راستبازی جو اُس نے حاصل کی تھی ہم لوگوں کو دیدے۔ کیونکہ اُسکا مالک ہر اور مجاز ہر کہ جسے چاہے اپنی خوشی سے دیدے۔ پس خداوند یسوع نے گنہگار کے واسطے دونوں کام کئے۔ پہلا یہ کہ اپنی جان پر اُسکے گناہوں کا دکھ اٹھایا اور اُسے سزا اور دوزخ سے رہائی دی۔ دوم اپنی راستبازی دیکے اُس خدا کے فضل اور مہربانی کا مستحق ٹھہرانا ہر۔ یہی نجات ہے۔

انسان شریعت کی پوری تابعداری نہیں کر سکتا اور کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو کہہ سکے کہ میں بالکل راستباز ہوں۔ پس اگر بغض محال کسی نے ایسی فرمانبرداری کی بھی جسکو کامل فرمانبرداری کہہ سکیں تو بھی ظاہر ہے کہ وہ محض اپنے فرض سے ہی سبکدوش ہو گیا۔ اور جو نہیں سکتا کہ کسی اور کو وہ نیکی یا راستبازی دیدے کیونکہ اگر وہ دیدے تو پھر خود قاصر و مستوجب سزا ٹھہرتا ہے پر مسیح خداوند نے جو شریعت کی فرمانبرداری کی وہ اُسکے لئے ذرہ بھی ضرور نہ تھی اگر کہ وہ اللہ اور اپنی راستبازی کا جو اُس نے حاصل کی پورا اختیار رکھتا ہے کہ جو چاہے اس سے حاصل کر لے

دوم۔ ایک مشکل یہ بھی تھی کہ گنہگار کی نجات کے معاملہ میں کوئی ایسا طریقہ ہونا چاہیے جس میں خدا کی عدالت حق اور عزت کے لائق قائم رہے۔ ہم اور اس مشکل کا بالاجمال جواب دے چکے ہیں یعنی کہ خدا کی قدوسیت اور عدالت مسیح خداوند کے کفارہ میں اس قدر تاباں و درخشاں نظر آتی ہے کہ اور کسی صورت سے اُسکا جلال اس قدر ظاہر ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ خدا نے خود اپنے اکلوتے پیارے بیٹے کو یونہی نہ چھوڑ دیا حالانکہ وہ گنہگار نہ تھا نہ اُس نے خدا کے حکم کے خلاف ذرہ سی بات بھی کی تھی۔ بلکہ صرف اسلئے کہ گنہگار انسان کا ضامن ہو کہ اُسکی جگہ اور اُسکی صورت میں عدالت الہی میں حاضر ہوا۔ اور اُسے جان سے ہلاک کر دیا جو زندگی کا مالک ہے تو کیا اس سے زیادہ عزت اور جلال اُسکی قدوسیت اور عدالت کا اُس حال میں ہو سکتا ہے کہ خدا ہم گنہگاروں کو رجن کا حق ہے، ابدی عذاب اور دکھ میں رکھے ہم لوگ تو حقیقت میں نفرت کے لائق ہیں اگر خدا اپنی عدالت کے سبب ہم سے نفرت کرے تو کیا ہے چرب خدا کی عدالت نے اُسکے خلاف اپنا ہاتھ اٹھایا جو بالکل راستباز اور پاک تھا تب عدالت کا جلال ظاہر ہوتا ہے مثلاً اگر کوئی بادشاہ کوئی قانون جاری کرے اور عدولی کی سزا موت ٹھہرائے۔ اور اگر اُسکی رعیت میں سے کوئی اُس قانون کے خلاف کرے اور بادشاہ اُسے مروا ڈالے۔ تو اُسکی سلطنت اور قانون کی عزت تو قائم ہی رہے گی ان کا جہلو اور جلال ظاہر ہوتا ہے۔ اب فرض کرو کہ بادشاہ کا ایک ہی بیٹا ہے جو اُسکا نہایت ہی سیار ہے اگر وہ اُسی جرم کا مرتکب ہو اور بادشاہ اُسے مروا ڈالے تب تو ضرور بڑی عزت اور بڑا جلال اُس کی

سلطنت اور عدالت کا ہوتا ہے۔

دوم۔ ایک مشکل یہ بھی تھی کہ گنہگار کی نجات اور فائدہ عامہ دونوں کیونکر ساتھ ہی ساتھ ہو جائیں۔ دیکھو کہ خداوند یسوع کی صلیب پر اس مشکل کو بھی دور کر دیا۔ سارے عالم اس کی صلیب پر نظر کریں اور حیران ہو جائیں گے۔ دیکھیں کہ گناہ کی قدر نفرتی چیز ہے کہ خود آسمان و زمین کا خالق اس کی سزا میں جو اسے دوسروں کی خاطر اٹھائی صلیب پر لٹکا ہوا اور گناہ سے نفرت کریں۔ دیکھیں کہ عدالت نے یسوع پر کیسے کیسے زخم لگائے حالانکہ وہ گنہگاروں کا محض ضامن ہی تھا۔ یقین ہے کہ یہ دیکھنے والے گناہ کی جو محبت ان کے دل میں ہوگی وہ بالکل جاتی رہے گی۔ کیونکہ جب وہ یہ دیکھیں گے کہ الہی عدل نے اپنا ہاتھ ابن اللہ محمود پر دراز کرنے سے باز نہ رکھا تو ان کا کیا حال ہوگا۔ اگر ایسے عبرت ناک نظارے کو دیکھنے کے بعد پھر بھی وہ گناہ کریں کیونکہ ممکن نہیں ہے کہ ایسے کفارہ کے بعد اور کوئی کفارہ ہو۔

سزا و غرض سے دیکھائی ہے۔ اول۔ یہ کہ مجرم شخص اپنی اصلاح کرے اور جانے کہ جو کام اس نے کیا اس کا نتیجہ کیسا خراب ہے۔ دوم۔ یہ کہ عوام الناس اسے دیکھنے عبرت کریں۔ ربنا یسوع مسیح کی صلیب سے یہ دونوں علت غائیں پوری ہو جاتی ہیں۔ ادھر گنہگار دیکھتا ہے کہ اس کی خاطر محبوب اللہ کو کیسی کیسی تکلیف اور دکھ ہوئے اور اس سے دل میں بدی کی وہ نفرت پیدا ہو جاتی ہے جو اور کسی صورت سے پیدا نہیں ہو سکتی۔ وہ کہتا ہے کہ اے افسوس جس گناہ کی خاطر یہ شخص صلیب پر ہے جو اللہ کا پیارا ہے جو مجھ سے پیار کرتا ہے اور جو اس لائق

ہے کہ میں بھی اس سے پیار کروں کیا جائز اور مناسب ہے کہ میں پھر اس گناہ کو کروں۔ کیا مناسب ہے کہ میں پھر اس گناہ سے خوش ہوں۔ ہاں ان گناہوں سے جن کے سبب یہ شخص ایسے دکھ میں تھا۔ اس قسم کے خیالات جو گنہگار ایماندار کے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ اس کی اصلاح کے پورے اور کافی اسباب ہیں۔ دوسری علت غائی بھی خداوند یسوع کی صلیب پر پوری ہو جاتی ہے۔ یعنی یہ کہ عوام الناس بدی سے باز ہیں کیونکہ عبرت کی پوری تاثیر ان کے دلوں میں تب آجاتی ہے جب وہ یہ دیکھتے ہیں کہ ابن اللہ محمود کی جو گنہگاروں کا صرف ضامن ہوا ہے یہ حالت ہوئی تو ہماری کیا نہ ہوگی۔ اگر ہم پھر بھی گناہ میں رہیں اور گناہ میں زندگی بسر کریں۔ اس سے عبرت اور عبرت سے بدی کی نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔

جو لوگ یہ نہا واجب خیال رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ محض رحم پر مناسب ہے کہ وہ اس صلیب پر نظر کریں جس پر خداوند یسوع لٹکا تھا اور دیکھیں کہ گناہ کی سزا کیسی بھاری ہے کہ خود اللہ تعالیٰ کے پیارے ابن کو موت کا دکھ سہنا پڑا۔ اور جب اللہ کا پیارا بیٹا گنہگاروں کا ضامن ہو کے سچ نہ سکا تو ان کی کیا حقیقت ہے کہ ان پر رحم کیا جائیگا خصوصاً وہ لوگ جو خیال رکھتے ہیں کہ گناہ کی کھوڑی سی سزا ہوگی اور پھر معافی اس صلیب کو دیکھنے شرمندہ ہوں اور اپنے خیالات کی اصلاح کریں۔ کیونکہ آسمان میں جو سب کا محبوب ہے جو جلال کا بادشاہ ہے یعنی خداوند یسوع جب صلیب پر لٹکایا گیا محض اس لئے کہ گناہگاروں کا عوضی ہے تو وہ کیا ہیں کہ سچ جائیگے۔ اگر ہرے درخت سے یہ کیا گیا تو سوکھے درخت کیا حال ہوگا۔

نجات کو عجز سے مانگتے ہیں۔ مزدور کو جس نے ایمانداری اور جانفشانی سے محنت کی ہو اس کی مزدوری دینا اور شکر کرنا۔ اور فقیر کو خیرات دینا وغیرہ۔ اسی طرح اگر نجات فضل سے ہو تو اعمال سے نہیں ورنہ فضل نذر ہوا اور اگر اعمال سے ہو تو فضل سے نہیں ورنہ اعمال نذر ہے۔ رویوں۔

۱۱: ۶۔ مزدور کو مزدوری دینا صرف اس کا حق اور اگر ناسی اس میں کچھ مہربانی نہیں ہو پر غریب کو خیرات دینا اس پر مہربانی کرنا ہے جس میں اس کا کچھ حق نہیں ہو پس دونوں باتیں نہیں ہو سکتیں اگر نجات اعمال سے ہو تو اعمال پر ہی تکیہ کرنا لازم ہے۔ یعنی یہ کہ اگر کسی کے اعمال ایسے کامل اور پاک ہوں کہ نجات ان سے حاصل ہو جائے تو فضل کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ پر اگر اعمال کسی ایک امر میں بھی قصور ہوں تو ان پر پھر وساکرنا لا حاصل ہے اس حالت میں نجات کیواسے فضل کی طرف اور محض فضل کی طرف دیکھنا چاہئے۔ اگر میرے سچ ہے کہ انسان گنہگار ہے تو ممکن نہیں کہ اپنے اعمال سے رجوع گناہ میں نجات حاصل کرے۔ پس اگر نجات ممکن ہے تو محض خدا کے فضل عظیم سے ہو سکتی ہے۔ اور خدا کا شکر ہے کہ اسے ہم لوگوں کی بد حالی اور بے بسی کو دیکھ کے محض اپنے فضل سے ایک راہ نکالی ہے وہ ہمارے کاموں پر نہیں بلکہ محض ایمان پر موقوف ہے۔ اور حکمت الہی اس بات میں ظاہر ہے کہ اس نجات کو جو ایمان کے وسیلے حاصل ہوتی ہے اپنی بزرگی اور جلال اور اپنے عمل اور رحم کے ظاہر کرنے کیواسے محض فضل پر منحصر کیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جو رحم میں غنی ہے ہم کو وہ شے عطا کرتا ہے جس کے ہم نہ صرف حقدار ہی نہیں بلکہ مالک بھی ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض فضل اور رحم کی راہ سے ہم کو اپنا فرزند و جید ویدیا جس سے الہی عامل قائم رہتا ہے اور اس کے فضل و رحم کی بے نہایت عزت اور بزرگی ظاہر

ہوتی ہے۔

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام رکاوٹیں دور ہو گئی ہیں گویا وہ جدائی کی دیوار جو ہم میں اور خدا میں گناہ کے سبب سے تھی خداوند یسوع کے مصلوب ہونے سے ٹوٹ گئی۔ اب گویا الوہیت ہاتھ پیارے ہوئے انسانیت کو بلارہی ہے اور کہتی ہے کہ اسی گنہگار آئیں نے تیری نجات کا کام پورا کر دیا۔ اب اور کیا روک ہے جو مجھ سے وصال نہیں کرنے دیتی۔ دیکھ میں ہاتھ پیارے ہوئے تجھے بلاتی ہوں۔ اب اگر کوئی روک ہے تو یہ ہے کہ انسان اپنی مرضی کا مالک ہے خواہ جنائے خود اس بات کو مانے یا نہ مانے اس امر کا بالا جبار ماننا نہ صرف ناممکن بلکہ نا واجب بھی ہے۔ کیونکہ ضرور ہے کہ جب تک انسان کی ذات کی خرابی دور نہ ہو جائے تب تک وہ نجات کو حاصل کرنے اور آسمانی خوشنوی کا مزہ چکھنے کے بالکل نالائق ہوتا ہے۔ اور وہ نہیں سکتا کہ جب تک وہ بدل نہ جائے تب تک کسی طرح بہشت میں خوش ہو سکیگا۔ پس ضرور ہے کہ بہشت میں جانے سے پہلے انسان پاک کیا جائے تاکہ بہشت میں رہنے کے لائق بنے۔ جسے اور الفاظ میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ نجات اور پاکیزگی کا لازمی علامہ ہے پس جب ہمارے اعمال ایسے ہیں کہ ہم ان کے سبب ناراست ٹھہرتے ہیں تو خدا کے فضل نے ایمان اور پاکیزگی میں بھی ایک لازمی علامہ پیدا کر دیا ہے۔ اور یہ کہنا واجب ہے کہ ایمان ہی گنہگار کی پاکیزگی کی جڑ ہے جیسا کہ پاکیزگی کے بغیر بہشت اور وصال الہی نہیں حاصل ہو سکتے ویسا ہی ایمان کے بغیر پاکیزگی بھی حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ جب تک گنہگار اس الہی انتظام پر جو خداوند یسوع مسیح کے وسیلے ہوا اور ان بھاری صدقاتوں پر جو اس کے کلام میں موجود ہیں پورا اور قومی ایمان نہ رکھتا تب تک

ہو نہیں سکتا کہ اُن پاک کرنے والی تاثیرات کو جو خداوند یسوع سے نکلتی ہیں خود میں اثر کرنے دے اور نتیجہ یہ ہوگا کہ اُس میں نہ پاکیزگی ہوگی نہ نجات حاصل کرے گا۔

علاوہ ازیں یہ نامناسب بھی معلوم ہوتا ہے کہ گنہگار کی نجات اُس وسیلہ سے کی جائے جو اسکی پسند خلاف ہو۔ کیونکہ جس چیز سے وہ خوش نہیں اُس سے وہ ناخوش ہوگا تب نجات کیا ہوئی جو لازوالی خوشی دیتی ہے۔ بلکہ اُسکے لئے نجات تو عذاب ہوگئی کیونکہ وہ اُس سے خوش نہیں ہوتا ایمان ایک ایسی شے ہے کہ گنہگار کو مجبور کرنا ہے کہ خوشی سے نجات کی وہ راہ جو خداوند یسوع نکالی ہے قبول کرے۔ پس ثابت ہوا کہ نجات ایمان کے بغیر نہیں ہو سکتی چنانچہ جو خداوند فرماتا ہے کہ جو ایمان لائے گا بچ جائیگا۔ اور جو ایمان نہیں لائے گا ہلاک ہوگا۔ یوحنا ۳: ۱۶۔

جب تک کہ خداوند یسوع مسیح کی پاکیزگی کو انسان اس طور پر اپنا نہ بنالے کہ از رو قانون وہ پاکیزگی اسکی ہو جائے اور اُسکو خدا کی خوشنودی کے لائق بنائے تب تک نجات ناممکن ہے۔ پس جب تک کہ ہم قانون کے روئے سچے ساتھ ایک نہ ہوں تب تک ہم اسکی پاکیزگی کے حصہ دار نہیں ہو سکتے۔ اور ہم اُسکے ساتھ ایمان کے بغیر ایک ہو نہیں سکتے۔ اور یہاں سے بھی ظاہر ہے کہ ایمان نجات کے واسطے ضروری ہے کیونکہ ایمان بچائی کا وہ رشتہ ہے جو ہم کو اور مسیح کو ایسا باہم ایک کر دیتا ہے کہ ہم اُس میں ہوتے ہیں اور وہ ہم میں رہتا ہے۔ غرض کہ جس پہلو سے ہم دیکھیں اور جس صورت سے خیال کریں صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نجات ایمان کے بغیر اور ایمان نجات کے بغیر ہو نہیں سکتا۔ ایمان کے بغیر پاکیزگی نہیں حاصل ہو سکتی جو نجات کے واسطے لازمی ہے ایمان کے

بغیر وہ لازوالی اور بے نہایت خوشی نہیں ہو سکتی جو نجات سے نکلتی ہے۔ اور ہم ایمان کے بغیر خدا سے وصل نہیں کر سکتے جو حقیقی نجات ہے۔

اس جگہ ایک بڑا ضروری اور بھاری سوال یہ لازم آتا ہے کہ وہ ایمان کیا ہے جس کا علاقہ نجات کے ساتھ ایسا لازمی ہے کہ اسکا جواب یوں دیتے ہیں۔
(۱) جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ایمان خدا کی اُس گواہی کو قبول کرنا ہے جو اُس نے اپنے ابن وحید کے حق میں دی۔ اور وہ یہ ہے کہ خداوند یسوع ناصری انسان کا نجات دہندہ ہے۔

(۲) ایمان سے پہلے ضرور ہوتا ہے کہ گنہگار اپنی سبکی اور بربادی کی حالت کا پورا خیال کر لے گنہگار ایمان دار یہ مان لیتا ہے کہ ابن اللہ محمود بن یسوع مسیح کے بغیر میری یہ حالت تھی کہ میری مدد کسی جگہ سے نہیں ہو سکتی تھی۔ میرے اعمال بالکل ناقص اور میری توبہ اور مناجات سب نکتی اور لا حاصل ہیں کیونکہ ان سے نجات نہیں ہو سکتی۔ اگر میری نجات ہو سکے تو مجھے خدا کے رحم سے ہو سکتی ہے اور یہ خدا کی مرضی ہے کہ خواہ مجھ پر رحم کرے یا جیسا میرا حق ہے میرے گناہوں کا واجب بدلہ دے۔ جب تک انسان کے دل کا یہ حال نہ ہو جائے تب تک وہ اپنے حقیقی نجات دہندہ کو قبول نہیں کر سکتا جس کا خاص کام یہ ہے کہ بربادی اور سبکی کی حالت میں بچائے کسی بزرگ کا قول ہے کہ انسان کی لئے ضرور دھڑک رہا ہے خود کو چھپاتی تب خداوند یسوع کو چھپان سکیگا۔

(۳) ایمان انسان کی عقل کی آنکھوں کو روشن کرتا ہے۔ تب وہ دیکھتا ہے کہ نجات کا وہ انتظام جو خداوند یسوع کے وسیلہ سے ہے کیسا صاف عمدہ اور قبولیت کے لائق ہے۔ تب وہ دیکھتا ہے کہ جس نجات دہندہ کی وہ کچھ قدر نہیں کرتا تھا وہ ایسا ہلکا ضروری ایسا جلالی اور ایسا خوشنما ہے کہ بے اختیار دل اُسی کا گردیدہ ہو جاتا ہے۔ اور انجیل جلیل کا وہ پیغام جو پہلے اُسے سنہی کی بات معلوم ہوتی تھی اب اُسکو ایسی جلالی اور پاک معلوم ہوتا ہے کہ وہ بے تحاشا اُسے قبول کر لیتا ہے۔

۴) تب گنہگار اپنے سارے دل سے سچے نجات دہندہ کی طرف بھاگتا ہے اور اُس سے بغلیں ہوتا ہے۔ تب وہ انجیل کی شرائط کو مجبوراً نہیں بلکہ خوشی اور بڑی رضامندی سے قبول کر لیتا ہے۔ تب اُس کا دل یسوع کی محبت سے چھد جاتا ہے۔ تب وہ نہایت تعجب خوشی اور گزاری سے اُس کے الہی صفات و جلال کو دیکھتا ہے جو نجات کے کام میں ظاہر ہوئے۔ پہلے تو وہ خود غرض تھا اور محض یہ چاہتا تھا کہ الہی عزت اور جلال ہو نہ ہو اُسکی نجات ہو جائے۔ کہ عدالت اور قانون ٹوٹے نہ ٹوٹے اُسے سزا نہ دیا جائے۔ پر اب اُسے الہی عزت کا حال بھی معلوم ہوتا ہے کہ نجات کے کام میں وہ کیسی ظاہر ہوئی۔

۵) اور آخری بات یہ ہے کہ ایماندار گناہوں کی معافی خدا کی رضامندی اور ہر ایک برکت کے لئے یسوع مسیح کی طرف دیکھتا ہے اور اُس پر بھروسہ رکھتا ہے۔ آگے وہ ناامید تھا پر اب امید رکھتا ہے کہ نہ صرف نجات ملی بلکہ خدا کا فرزند بھی بن گیا اور یقین کرتا ہے کہ میں ابد الابد اپنے باپ کے ساتھ رہوں گا۔

رہوں گا۔ اور اُسکی خدمت کروں گا۔ وہ رُوح جو خدا کے رحم اور فضل پرستار کرتی ہے اور اُسکے رحم اور فضل کے ظہور کو جو خداوند یسوع مسیح میں ظاہر ہوا ہے قبول نہیں کرتی ہرگز ایسی برکت حال نہیں کر سکتی کیونکہ جس نے حقیقی نجات دہندہ کو قبول نہ کیا وہ کیونکر ان برکت کو حاصل کر سکتا ہے جو اسکی تعلیم اور کام اور زندگی سے نکلتی ہیں۔

القصہ ایمان دل کو صاف اور راستہ کرتا اور اس میں نیکی کا بیج بوتا ہے۔ ایمان ایسی تابعداری پیدا کرتا ہے جس میں کوئی عذر نہیں ہوتا۔ ایمان دُنیا اور اُسکی آزمائشوں پر غالب آتا ہے۔ ایمان غیر فانی چیزوں کو ایسا دکھاتا ہے گویا کہ وہ سامنے ہیں۔ ایمان مرنے والے دل میں پھر سے جان دلاتا ہے۔ ایمان دل سے بدی کا بیج نکال دیتا ہے اور آسمانی مہراج اُس میں پیدا کرتا ہے۔ ایمان وہ راستبازی حاصل کرتا ہے جسکے بغیر نجات نہیں ہو سکتی۔ ایمان وہ دیوار توڑ دیتا ہے جو انسان اور اللہ میں حال ہوئی ہوتی ہے اور دونوں کو ملا دیتا ہے۔ ایمان خدا کی محبت دل میں پیدا کرتا ہے۔ ایمان انسان کے دل سے مجرمانہ خوف نکال دیتا ہے اور وہ محبت اُس میں بھر دیتا ہے جو بیابان سے رکھا۔ آگے وہ مجرم ہو کے خدا کے حضور سے ڈرتا تھا۔ پر اب بیابان ہو کے اُسکے حضور میں خوش ہوتا ہے۔ آگے وہ اللہ سے دور بھاگتا تھا اب وہ اُسکی طرف زور سے دوڑتا ہے۔ آگے وہ دنیا کے کاموں میں بگاڑتا تھا اب اپنے سارے کاموں میں اللہ کو یاد رکھتا ہے غرض کہ ایمان اس دنیا میں باطنی اطمینان اور آئندہ دنیا کی خوشی کا یقین دلاتا ہے اور یہی نجات ہے۔

فصل ہشتم

ایمان کا اخلاقی اثر

ایمان اور اس کے خواص اور فائدہ کا ذکر جو اوپر کی فصلوں میں ہوا ہے اس سے اس کتاب کے پڑھنے والوں کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ خداوند یسوع اور اس کی مبارک انجیل پر ایمان لانا انسان کے ضمیر کو روشن کر کے اس میں الہی تاثیرات اور وہ اطمینان پیدا کرتا ہے جو تمام فہم سے باہر ہے۔
 پر اکثر ایک قابل غور اعتراض کیا جاتا ہے کہ جب نجات دہندہ پر صرف ایمان لانے کے وسیلے گناہوں کی معافی اور خدا کی برکتیں حاصل ہوتی ہیں تو کیا اس سے گنہگار کو گناہ کرنیکی زیادہ حیات ہوگی۔ اگر ایمان اعمال سے جدا کیا جائے اور تو بھی انسان خدا کے حضور رہتا ہے تو کیا خطرہ نہیں ہے کہ ایمان انسان کی زندگی کی روش کو بھی اعمال سے علیحدہ نہ کر دے۔ اس کا جواب کلام الہی یوں دیتا ہے کہ ایمان خالص و ستقیم گناہ کی نہیں بلکہ قدوسیت کی غریب دیتا ہے۔ کیونکہ خداوند یسوع کا کلام ایماندار کے دل میں الہی تابعداری اور روحانیت اور تقدیس کا شوق پیدا کرتا ہے۔ یہ تاثیر ایمان کی ہر زمانہ میں رہتی ہے اور اس زمانہ میں بھی ہوتی ہے یعنی یہ کہ خالص ایمان دل کو پاک کرتا ہے۔ اعمال ۱: ۵-۹۔ چنانچہ ہزار ہا لوگوں کی زندگی کے واقعات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ بے ایمان تھے وہ ناپاک اور ہوتی طور پر زندگی بسر کرتے تھے۔ چرب

ایماندار ہو گئے تو نیک اور پاک طور پر زندگی کاٹنے لگے۔ بت پرست لوگ ایمان کے وسیلے خدا پرست بن گئے۔ دنیا دار ایمان کے وسیلے دیندار ہو گئے۔ بدکار حرامکار اور طرح طرح کے گناہوں میں رہنے والے بدی وغیرہ سے نفرت کرنے لگے۔ اور خدا ترس بن گئے۔ بدگفتار لوگ ایمان کے وسیلے فرشتوں کی زبان بولنے لگتے ہیں۔ ظالم اور خونسخوار مغرور اور خود میں لوگ ایمان کے وسیلے مہربان اور نرم دل فروتن اور غریب دل ہو جاتے ہیں۔ کس نے روم کو بت پرستی اور وحشت سے نکال کے خدا پرست اور مذہب بنا دیا۔ کس کے سبب آج انگلند کو یہ عالمی رتبہ اور عروج حاصل ہے ہندوستان میں سے ظلمت اور تاریکی کو کون دور کر رہا ہے مگر ایمان جن ملکوں میں بہت سے بھی ہیں ان کا مقابلہ فی زمانہ ایسے ملکوں سے کر کے دیکھ لو کہ کہاں زیادہ پاکیزگی زیادہ کی زیادہ خدا ترسی زیادہ نفس کشی اور جہمی ہے۔ جو علاقہ ایمان اور تقدیس میں ہے وہ خاص تین اطوار سے ظاہر ہوتا ہے۔
 اول۔ ایمان میں تاثیر ہے کہ انسان کے نسب سے طاقتور جوشوں کو اکسائے اور ان کو تقدیس کی ترقی میں لگائے۔
 دوم۔ ایمان دل کو ان صداقتوں کے ساتھ ایسا ملاتا ہے جو چال چلن میں پاکیزگی حاصل کرنے کی تاثیر رکھتی ہیں۔
 سوم۔ ایمان دل میں شوق پیدا کرتا ہے کہ ہم پاکیزگی کے حاصل کرنے کی کوشش کریں اور روح القدس کی مقدر کرنے والی تاثیر کے حصول کی مناجاتیں کریں۔
 ذیل میں ان تینوں امور کا ذکر کیا جاتا ہے جس سے صاف ظاہر ہو گا کہ ایمان دل میں

پاکیزگی پیدا کرنے کا نہایت شوق دیتا ہے +

اول۔ ایمان میں تاثیر ہے کہ انسان کے سب سے طاقتور جوشوں کو اکٹھے اور ان کو تقدیس کی ترقی میں مصروف کرے +

تمام اجواش انسانی کا ذکر کرنا مشکل ہے خصوصاً اس قسم کی کتاب میں جو ضرور ہے کہ جہانگ ممکن ہو مختصر ہو۔ پر ہم خاص دو جوشوں کا ذکر کرتے ہیں جن میں سے پہلا محبت ہے۔ اکثر یہ ہوتا ہے کہ جس چیز سے ہم کو محبت ہوتی ہے ہم بہت چاہتے ہیں کہ اسے مانند ہو جائیں اور بن جائیں محبت کی ایک تاثیر یہ بھی ہے کہ وہی کو دور کر کے یک جہتی دیکھائی کی طرف دل کو کھینچتی ہے محبت وصال محبوب چاہتی ہے اور وصال ایک نئی مغیر نہیں ہو سکتا۔ خالص محبت کی تاثیر ہے کہ خصلتوں اور عادتوں اور خواہشوں کو بدل دیتی ہے اور محبوب کی عادتیں حبیب میں پیدا کر دیتی ہے۔ بزرگ کو قہر کا قول ہے کہ محبت یکتائی پیدا کرنے کا وسیلہ ہے جس سے ہم چاہتے ہیں کہ ہم میں اور ہمارے محبوب میں ابدی اتصال ہو اور ہم پھر ایک دوسرے سے علیحدہ نہ ہوں محبت کا قانون ایسا ہے جیسا شش کا قانون۔ اگر مادہ میں شش اتصال نہ ہو تو سب چیزیں برباد ہو جاتی ہیں۔ ویسا ہی اگر محبت الہی دل میں نہ ہے تو انسان کی ذات برباد ہو جاتی ہے۔ کوئی رشتی ایسی مضبوط نہیں جس سے انسان کا دل ایسا جکڑا رہے جیسا کہ محبت کے ایک دورہ سے محبت کا جال ایسا ہے کہ دل اور جان کو پورے طور پر قابو رکھتا ہے پھر انسان کو ہنسنے کی جرات

بھی نہیں رہتی مثلاً مشہور ہے کہ جس کا دل اسی کا سب کچھ جن کی محبت دل میں بسے رہی کائنات میں دھن سب کچھ ہو جاتا ہے +

یاد رکھنا چاہئے کہ ایمان دل میں الہی محبت بلکہ الہی عشق پیدا کر دیتا ہے جب انسان ایک طرف اپنی بے نہایت بدی کو اور دوسری طرف خدا کی بے حد محبت کو دیکھتا ہے کہ اُسے اپنا عزیز بننا اسکی خاطر موت کے حوالے کیا کہ وہ اُس موت سے جو گناہ سے ہے خلاصی پائے تو اُس کا دل محبت سے چھید جاتا ہے اور وہ دل گریہ ہو کے کہتا ہے کہ میں خدا کی محبت کو اب دیکھتا ہوں اور تسلیم کرتا ہوں کہ خدا عجب ہے اب میں اُس سے محبت رکھوں گا اسلئے کہ اُس نے پہلے مجھ سے محبت کی اور اپنے ابن وحید کو دیدیا کہ میں اُس پر ایمان لا کے ہلاک نہ ہوں بلکہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں پس خدا کی بھاری محبت کو دیکھئے وہ حیران رہ جاتا ہے کہ بجائے اسکے کہ اُسے وہ ابدی سزا دی جائے جس کا وہ سزاوار تھا اللہ تعالیٰ اسکو اتنا پیارا کرتا ہے کہ اُسی کے عوض اپنے بیٹے کو موت کے حوالے کر دیا تجب اسکے دل میں شکر گزار می پیدا کرتا ہے تب وہ کہتا ہے کہ اب میں کیا کروں۔ اللہ نے تو میرے واسطے اتنا کچھ کیا اب میں اسکے واسطے کیا کروں۔ میں اب سے اپنا آپ اور اپنا دل اور اپنا سب کچھ اسکے حکم اور اسکی مرضی کے تابع کروں گا اے اللہ اب سے میں تیرا تابعدار خادم بننا ہوں مجھے عاجز کی سن لے میں اب تیری محبت کا قائل ہوں اور تیری رضا کے سوائے اور کچھ نہیں مانگا۔ تو مجھے بتا ہے کہ

خدا! اسی میرے باپ کہ ایمین اب کیا کروں۔ اور اللہ تعالیٰ جو ایسی دعا کی طرف بھی
 کان بند نہیں کرتا اپنی مٹھی اور گھسپ آواز سے اُسے کہتا ہے کہ اسی میرے بیٹے پناہ دل
 مجھے دے۔ امثال ۲۳-۲۴ جب وہ سوال کرتا ہے کہ اسی خداوند مجھے بتا کہ تیری کیا
 مرضی ہے کہ میں اُسے سجاولوں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آواز آتی ہے کہ خدا کی
 مرضی پاکیزگی ہے اور پلانتنا و یقیون ہم: ۳۱ کیونکہ جو خدا کی مرضی سجالانا چاہتا ہے وہ
 خود کو ایسا پاک کرتا ہے جیسا کہ وہ اللہ پاک ہے۔ پہلا یوحنا ۳: ۳-۴ تب وہ محبت سے
 مغلوب ہو کے خدا کے حکموں پر اور اس کی مرضی پر چلتا ہے کیونکہ وہ اللہ سے محبت کرنے
 لگتا ہے۔ اور محبت یہی ہے کہ ہم اس کے حکموں پر چلیں۔ دوسرا یوحنا ۴ آیت مصلوب نجات
 دہندہ کو دیکھ کے اُس کی موت کا مطلب خوب سمجھ لیتا ہے کہ اُسے خود کو ہمارے بدلے دیا
 تاکہ وہ ہمیں سب طرح کی بدکاریوں سے چھڑائے اور ایک خاص امت کو جو کواکاری
 میں سرگرم ہوا ہے اُسے پاک کرے۔ طیطس ۲: ۱۴ تب وہ خواہش اور دعا اور
 کوشش کرتا ہے کہ قدوسیت کا کام اُس کی فوج میں جاری اور اعمال میں نمودار ہو۔ وہ
 کہتا ہے کہ میں اب اپنا نہیں بلکہ خون خریدہ ہوں پہلا قرنتیوں ۶: ۲۰-۲۱ اور
 اب میرا فرض خاص ہے کہ اپنے جسم اور جان سے خدا کی مرضی سجالاول اور جس طرح سے
 ہو سکے اُسکا جلال ظاہر کروں تب وہ اپنا سارا بدن گذرانا ہے کہ خدا کے لئے ایک
 زندہ قربانی ہو جو اُس کے واسطے مخصوص اور اُس کی پسند خاطر ہو۔ رومیوں ۱۲: ۱-۱۳ پس ایمان سے

محبت اور محبت سے شکر گزاری اور شکر گزاری سے فرمانبرداری اور فرمانبرداری سے
 پاکیزگی پیدا ہوتی ہے۔ فہوالمراد +
 ایماندار صرف یہاں ہی نہیں ٹھہرتا بلکہ آہی محبت جو اُس کے دل میں پیدا
 ہوتی ہے ایک اور قسم کی محبت سے تبدیل ہو جاتی ہے۔ جسے شکر گزاری کی محبت کہتے ہیں
 یعنی وہ محبت جو شکر گزاری سے نکلتی ہے جب انسان کے دل سے نکلتا ہے
 اور وہ اللہ تعالیٰ کو پیارا باپ خیال کرنے لگتا ہے تو دل میں تعریف اور خوشی پیدا
 ہو جاتی ہے پہلے تو وہ اللہ سے ڈر کر رہتا تھا اس لئے کہ گنہگار ہونے کی وجہ سے جانتا تھا
 کہ اللہ اُس سے ناراض ہو گا۔ پر اب اُسے اللہ تعالیٰ کی مہربانی کا حال معلوم ہو گیا
 کہ اُسے اُس کے گناہ بخش دیے تو دہشت محبت سے اور نفرت پیار سے بدل جاتی ہے
 دل کی آنکھیں رُوح اللہ کے وسیلے منور ہو گئیں اب اُسے آہی کمالات اور صفات
 نہایت جلالی اور محمود نظر آتی ہیں کہ وہ حمیدہ صفات جو اُس کے نقیض معلوم ہوتی تھیں اب
 بالکل ایک دوسرے کے موافق معلوم ہوتی ہیں۔ وہ خداوند یسوع نجات دہندہ
 کے چہرہ کی طرف نظر کرتا ہے اور اُس میں آہی خوبصورتی کا کمال دیکھتا ہے۔ اور کیا
 دیکھتا ہے کہ آہی صفات کے خوبصورت گردہ ہیں قدوسیت سب سے روشن اور ممتاز
 ہے۔ اُس کی جلالی خوشنما صورت کو دیکھ کے دوسرا سلامین ۲۰: ۲۱ دل سے دعا
 کرتا ہے کہ وہ بھی پاک ہو جائے جیسا کہ اللہ پاک ہے احبار ۱۹: ۲-۳۰: ۷-۸ اُس کے

کلام کی طرف نظر کر کے وہ دیکھتا ہے کہ کوئی بات ایسی نہیں کہ پاکیزگی کی ترقی کی مانع ہو بلکہ بیشتر قدوسیت کی ترقی کرنیوالے احکام موجود ہیں۔ وہ دیکھتا ہے کہ لاتبدیل خدا کا ارادہ یہ ہے کہ ہم اُسکے پیارے بیٹے کے ہم شکل بن جائیں۔ رومیوں ۲۹: ۸۔ تو اپنی زندگی کا خاص کام یہ ٹھہراتا ہے جسکے واسطے وہ بڑی سرگرمی سے کوشش بھی کرتا ہے کہ مسیح خداوند کا سامراج حاصل کرے۔ اس طرح وہ اگلی قدوسیت کو بطور نمونہ اپنے سامنے رکھ کے کوشش کرتا ہے کہ اُسکی مانند آپ بھی بن جائے +

دوسرے امیدوار ایمان کے وسیلے راست باز ٹھہر کے ہم اپنے خداوند مسیح کو وسیلے صلح حاصل کرتے ہیں اور خدا کے جلال کی امید میں خوش رہتے ہیں۔ رومیوں ۵: ۱۔ ایمان کے وسیلے خوشی اور سلامتی اور امید حاصل ہوتی ہیں۔ امید کی خاصیت یہ ہے کہ جس ایمان سے یہ نکلے اُسے قائم اور مضبوط رکھتی ہے مثلاً

حاشیہ: جو لوگ اللہ تعالیٰ کی محض غیب ذات کے پرست ہیں اگلی قدوسیت سے کبھی پورے طور پر واقف نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ غیب ہوتی ہے۔ مسیح میں گویا ہم پرکھنے نظر آتی ہے پس جو لوگ مسیح کو اپنا رہنما بناتے ہیں عقل سلیم اس کو تسلیم کرتی ہے کہ وہ مسیح کے موافق بنتے جاتے ہیں جسکا انجام کامل قدوسیت ہوگا +

امیم حنیف

اُس شخص کی امید جو خداوند یسوع پر ایمان لانا ہے یہ ہوتی ہے کہ وہ بیڑ وال اور نالودہ اور غیر فانی میراث پائیکا جو آسمان پر اُس کو واسطے رکھی گئی ہے پہلا پطرس ۱: ۴۔ امید یہ ہوتی ہے کہ غیر فانی تاج حاصل کرے گا۔ پہلا قرنتیوں ۹: ۲۵۔ وہ اُس دنیا میں داخل ہونے کی امید رکھتا ہے جس میں کوئی چیز جو ناپاک یا نفرت انگیز یا جھوٹ ہے کسی طرح داخل نہیں ہو سکتی مکاشفات ۲: ۲۷۔ پس یہ امید نہایت شوق اور خواہش پیدا کرتی ہے کہ دل ناپاکی سے علیحدہ ہو جائے جب دل میں شوق ہوتا ہے کہ مقدسوں کی مجلس میں داخل ہو جاؤں تو خود بخود دینخواست بھی پیدا ہو جاتی ہے کہ اگلی صحبت کے لائق بھی بن جاؤں کہ اُسکی روحانی خوشیوں میں شریک ہو جاؤں +

جب انسان کے دل میں امید ہوتی ہے کہ نجات دہندہ کی مجلس میں رہے اور اُسکا جلال دیکھے تو دل میں خواہ مخواہ شوق پیدا ہو جاتا ہے کہ اپنے آپ کو اُسکی صحبت کے لائق بھی بنائے۔ چنانچہ حضرت یوحنا حواری کہتے ہیں کہ جو یہ امید رکھتا ہے وہ اپنے آپ کو ایسا پاک صاف کرتا ہے جیسا کہ وہ یسوع مسیح ہے۔ پہلا خط ۳: ۳۔ جو لوگ اس قسم کی باتوں کا محض خیال کرتے ہیں اُنکے دل میں روحانیت اور تقدیس کا بڑا شوق پیدا ہو جاتا ہے تو اُس آدمی کا حال کیا ہوگا۔ جسے یقین اور قطعی امید ہو کہ وہ ایسی پاک مجلس جائیگا۔ جو شخص آسمان کا آسمانی خوشیوں کا۔ آسمانی رفیقوں کا۔ آسمانی عبادت اور خصوصاً آسمانی خدا کا خیال کیا کرے۔ تو کچھ انہونی بات نہیں ہے کہ دن بدن زیادہ

زیادہ اس فانی دنیا کی پیروی اور ناپاکی کی نسبت مرنا اور خدا کی نسبت زندہ ہوتا جائیگا۔ جسکے جلال کا خیال اُسکے دل میں بستائے اور جسکی صورت حاصل کرنا وہ چاہتا ہے جب بد خیالات بد اثر پیدا کرتے ہیں تو تعجب نہیں کہ الہی قدوسیت کے خیالات پاکیزگی کی تاثیر کرینگے جب اللہ کی صحبت میں رہنے کا خیال انسان کے دل میں آجاتا ہے تو بدی سے بد مزگی اور نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور انسان خواہش کرتا ہے کہ ہر ایک بدی اور بدی کی شکل سے علیحدہ ہو جائے۔ یہ خیالات انسان کے دل کو جوش دیتے ہیں کہ اپنے آپ کو ہر طرح کی جسمانی اور روحانی منجاسیت سے دور رکھے اور خدا کے خوف میں قدوسیت حاصل کرے۔ دوسرا فرشتوں ۱۔ اس حالت میں انسان نہ صرف اُن گناہوں سے نفرت کرنے لگتا ہے جو فعل کے گناہ ہیں بلکہ خیال کے گناہوں سے بھی +

دوم۔ ایمان دل کو اُن صداقتوں کے ساتھ ایسا ملاتا ہے جو اعمال میں ضرور پاکیزگی پیدا کرنے کا اثر رکھتی ہیں +

اس بات کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ جو صداقتیں خداوند یسوع مسیح کی انجیل میں مندرج ہیں وہ اپنی ذات میں ایسی تاثیر رکھتی ہیں کہ خواہ خواہ دل کو پاک صاف کریں تو بھی ہم صرف ایک بات کا ذکر کرتے ہیں یعنی اُس دعا کا جو ہمارے پیارے خداوند نے مانگی جب وہ اس دنیا میں بقید جسم تھا۔ اُنکو

اپنی صداقت سے بیکار کر دینا کلام صداقت ہے۔ یوحنا ۱: ۱۷۔ پس ظاہر ہے کہ انسان کا دل الہی صداقتوں سے جو اس کے کلام میں رُج میں پاک اور نور ہو جاتا ہے۔ پر الہی صداقتوں سے پاکیزگی حاصل کرنے کی واسطے کسی چیز کی ضرورت ہے +

اولا۔ یہ ضرور ہے کہ کلام الہی کی صداقتیں دل میں پورے طور پر جانشین ہوں ضرور ہے کہ مومن کے دل میں انکی وہی جگہ ہو جو رسولوں کے دل میں تھی۔ چنانچہ حضرت پولوس فرماتے ہیں کہ میں نے مصمم ارادہ کر لیا ہے کچھ اور علم حاصل کرونگا نہ کسی اور کا بیان کرونگا سوا یسوع مصلوب کے اور اس مصمم ارادہ کا نتیجہ یہ ہوا اُنکے دل اور عقل نے تسلیم کر لیا کہ صلیب کی تعلیم سے سچے مذہب کی دونوں ضروریات پوری ہوتی ہیں یعنی اول ضمیر اطمینان حاصل کرتی ہے۔ دوم۔ دل پاک ہو جاتا ہے حضرت پولوس کی طرح حضرت یوحنا کا بھی یہی ارادہ تھا۔ چنانچہ جب وہ خداوند یسوع کی لہو کی پاک کرنے والی تاثیرات کا ذکر کرتے تھے تو آپ نے فرمایا کہ میں یہ باتیں تم کو اس غرض سے لکھتا ہوں کہ تم گناہ نہ کرو۔ پہلا یوحنا ۲: ۱ +

کسی بزرگ کا قول ہے کہ کفارہ کا مسدود روحانی سانچا ہے جس میں سے مسیح کی روحانی صورت کی قطع وضع نکلتی ہے اگر انسان پورے طور پر اس سانچے میں ڈھل جائے تو خواہ اُسے کبھی بڑے بڑے حکموں کو سنا ہی نہ ہو تو بھی وہ اپنے ضمیر کی ہدایت سے ہی خود بخود اُسپر چلیگا۔ چنانچہ حضرت پولوس بھی اسی بات کا دوسرے الفاظ میں

یوں بیان فرماتے ہیں۔ رومیوں ۱: ۳۰۔ پس چاہئے کہ گناہ تمہارے فانی جسم پر
حکومت نہ کرے اور تم اسکی شہوتوں کے تابع مت ہو بلکہ اپنے آپ کو خدا کے ایسا
تابع کرو گویا کہ مردوں میں سے جی اٹھے ہو۔ اور تمہارے عضو خدا کی واسطے رستبازی
کے آلے بنیں۔ پر شکر خدا کا ہو کہ تم جو گناہ کے غلام تھے دل سے اسکی تسلیم کی
جسکے سانچے میں ڈھالے گئے تھے فرمانبردار ہوئے۔ یہاں خدا کے کلام کو سانچہ
سے تشبیہ دی گئی ہے جس میں ایماندار کا دل اور مزاج ڈھالا جاتا ہے اور صورت
پکڑتا ہے۔ کلام ربانی کی تعلیم پوری پاکیزگی کا تقاضا کرتی ہے۔ یعنی یہ کہ اس کے پیرو
اپنے چال چلن میں وہی پاکیزگی ظاہر کریں جو خدا کا کلام اُنکو سکھاتا ہے۔ اسی مطلب
پر ایک بت پرست رومی فیلسوف سنی کا جو بڑا حکیم ہوا ہے یوں لکھتا ہے کہ اگر انسان
اخلاقی علوم سیکھے ایسا کہ تعلیم بھی دیکے کہ کیا کرنا اور کیا نہ کرنا چاہئے پڑھ آدمی
وانا نہیں ہے جس کا دل اس تعلیم سے بمل نہ جائے۔ اور حقیقت میں الہی صداقتوں
کی تاثیر ایسی ہوتی ہے کہ انسان کے چال چلن میں پاکیزگی ظاہر کرے چنانچہ ایک
شخص جو سنی کا سے زیادہ ممتاز ہے یوں کہتا ہے کہ ہم سب بے نقاب چہرے سے
خداوند کے جلال کو ایسا دیکھتے ہیں جیسا کہ انبیاء میں۔ اور جلال سے جلال تک خداوند
کی رُوح کے وسیع اُسی صورت پر پختہ ہوتے ہیں۔ دوسرا فرشتوں ۳: ۱۸۔
ثانیاً۔ ضرور ہے کہ الہی صداقتوں کا کل مجمع دل سے قبول کیا جائے۔ ایمان

اول ہی اول تو خداوند یسوع کے کام اور کفارہ سے علاقہ رکھتا ہے پر پورا ایمان اُن
تمام صداقتوں کو قبول کرتا ہے جو تعلیم اور الزام اور سدھارنے اور رستبازی میں تربیت
کرنے کی واسطے فائدہ مند ہیں۔ تاکہ مرد خدا کا دل اور ہر ایک نیک کام کے لئے تیار
ہو۔ دوسرا مظاہر ۳: ۱۶۔

ظاہر ہے کہ دل اگر صداقتوں کے صرف اُس حصہ کو قبول کرے جو طبیعت کے
موزوں ہیں اور باقی صداقتوں سے کچھ سرکار نہ رکھے تو صداقتوں کا کامل اثر اس پر
نہیں ہو سکتا۔ بلکہ جن صداقتوں کو وہ قبول بھی کرتا ہے اُنکا اثر بھی نامکمل ہوتا ہے کیونکہ
کلام ربانی میں عموماً ایسا نظر آتا ہے کہ صداقتوں کے سلسلہ میں ایک صداقت
دوسری سے بالکل وابستہ ہوتی ہے اور دوسری صداقت پہلی پر کچھ نہ کچھ اثر رکھتی ہے۔
اگر ایک صداقت کو بھی نکال دیا جائے تو باقی صداقتیں اسکی تاثیر سے محروم ہوتی
ہیں پس ضرور ہے کہ صداقتوں کے کل مجمع کو قبول کریں ورنہ باقی صداقتوں میں بہت
کم فائدہ کی امید ہو سکتی ہے۔ مثلاً کلام ربانی میں ایک صداقت یہ ہے کہ گناہگار صرف
ایمان کے وسیلے بچ سکتا ہے اور ایک اور صداقت یہ ہے کہ ایمان بے اعمال مردہ ہے۔
اگر کوئی شخص صرف پہلی بات کو مانے یعنی یہ کہ صرف ایمان ہی سے رستبازی
حاصل ہو سکتی ہے اور اس مسئلہ کا جو علاقہ دوسرے وابستہ مسائل سے ہے مثلاً مسیحی کو
کیسے کام کرنے چاہئیں مسیح کا حکم اور مرضی مومن کی واسطے کیا ہے وغیرہ اسے

قبول نہ کرے تو نہ گز نہیں ہو سکتا۔ کہ حقیقی اور پورے ایماندار کے چال چلن کا نمونہ اس شخص سے مل سکے۔ کیونکہ اُسکے دل نے صرف صداقت کے ایک حصہ کو یا یوں بھی کہیں کہ صداقتوں کے مجمع میں سے ایک کو بغرض خود قبول کر لیا ہے اور کچھ تعجب نہیں کہ وہ مقبولہ صداقت کی مابینیت اور مطلب کو بھی درست طور سے نہ سمجھے بلکہ غلط نتیجہ نکالے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ جو صداقت اُسے قبول کی وہ غلط یا کم مفید ہے بلکہ یہ کہ ایک صداقت کو دوسری سے علیحدہ کر کے ماننا جو باہم ایسی وابستہ ہیں کہ ایک کے علیحدہ کرنے سے باقی کی کمزور اور کم مفید ہو جاتی ہے، ہم کہتے ہیں کہ اُسکا ایسا کرنا نہ صرف اُسکے واسطے ناجائز بلکہ مضر بھی ہے۔ نظام شمسی کی طرح نظام صداقت بھی ہے جس طرح نظام شمسی کا حال ہے کہ اگر ایک ستارہ بھی علیحدہ کیا جائے تو باقی کل کا نقصان ہوتا ہے۔ ویسا ہی نظام صداقت کا بھی حال ہے کہ اگر ایک صداقت بھی علیحدہ کی جائے تو باقی کی کل صداقتوں کا نقصان ہوتا ہے۔ پس صداقتوں کے پورے مجمع کو دل میں جگہ دینا ضروری ہے۔ ثالثاً ضروری ہے کہ ایمان حاصل شدہ کا دائم استعمال کیا جائے۔ تقدیس پیدا کرنے میں ایمان کوئی ایسا راز والا پوشیدہ طریقہ استعمال نہیں کرتا جس کا بیان نہیں ہو سکتا بلکہ ایمان کا خاصہ ہے کہ کلام ربانی کی صداقتوں کو دل میں نقش کر دیتا ہے۔ چنانچہ اکثر مسیحیوں کا تجربہ ہے کہ اُنکے دل میں پاکیزگی کا نہایت شوق تب ہی ہوتا ہے۔ نفسانی خواہشوں پر انکو فتح نمایاں تب ہی حاصل ہوتی ہے۔ دنیا کے بھندول فریبوں اور خرخشوں پر وہ تب

ہی غالب آتے ہیں جبکہ انجیل کی صداقتیں اُنکے دلوں میں بڑے زور سے جانشین ہوتی ہیں اور اپنی عمدہ تاثیرات سے باطنی انسانیت کو موثر کر کے قابو کرتی ہیں چنانچہ ایمان کا کام یہ ہے کہ کلام ربانی کو دل میں جانشین ہونے دے جس سے ایسے ایسے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اُسکے برعکس تو اُسے بھی تب ہی بڑی طاقت حاصل کرتی ہے جبکہ دنیا کا فکر اور حال کی زندگی کے شغل اکثر دل کو مصروف رکھتے ہیں اور جب دل موثر کرنے والی صداقتوں سے علیحدہ رہے۔ پس اگر کوئی یہ چاہے کہ اُس وہ ایمان حاصل ہو جو زندگی اور اطوار میں پوری تاثیر کرتا ہے تو ضروری ہے کہ اُس ایمان کو زور سے استعمال میں لائے جو اُسے اس حال حاصل ہے۔ اور دل سے یہ دو عالمائے کہ ایمان کے وسیع مسیح اُسکے دل میں ہے۔ افسیوں ۳: ۱۷۔ چاہئے کہ دل انجیلی صداقتوں کے خیال میں اکثر لگا رہے۔ کم از کم صبح شام سب سے علیحدہ ہو کے خدا کے ساتھ بات کریں۔ اور اس الہی ملاقات کو جلدی سے ختم نہ کریں بلکہ دل کو آرام سے اُن الہی تاثیروں سے موثر ہونے دیں جو اللہ تعالیٰ کے نورانی چہرہ کی تجلی سے برآمد ہوئے ضمیر کو روشن اور مطمئن اور ہمیشہ پاک صاف کرتی ہیں۔ مناسب ہے کہ وزمرہ کے کام میں بھی دل اللہ کے ساتھ لگے ہیں کیونکہ اللہ پاک ہے اور اُسکی صحبت ہم کو پاک کرتی ہے۔ سوم۔ ایمان دل میں شوق پیدا کرتا ہے کہ مومن پاکیزگی کے حصول کی کوشش کریں اور روح اللہ کی پاک کرنے والی تاثیرات کے حصول کی واسطے بنا جائیں کریں۔

اگر انسان کو یہی معلوم ہوتا کہ گناہ کے سبب وہ بذات اور بد حال ہو گیا ہے یہ بہت نہ بتایا جاتا کہ خداوند یسوع کے خون سے نہا کے پھر پاک صاف ہو سکتا ہے اور الہی رُوح کے جلال سے نیا مخلوق بن سکتا ہے تو اسکی مصیبت کا کیا ٹھکانا تھا۔ اُس کی حالت تب اُس جانور کی سی ہوتی جو دیکھتا ہے کہ شکاری کتے وغیرہ اُسکے پکڑنے کو آتے ہیں اور اُسے پھاڑ دینگے۔ پر جبکہ پاؤں نہیں ہیں کہ بھاگ جائے اور پر نہیں ہے کہ اڑ جائے۔ یا اُسکی حالت اُس شخص کی سی ہوتی جو پار بردہ جنگل میں پڑا ہے اور جس پر فیل دھا یا شیر زیاں حملہ کئے آتا ہے۔ پر خدا کا شکر ہو ہمارے خداوند یسوع مسیح کے وسیلے کہ اُسے ہم کو نجات دے اور بد حالی میں نہیں چھوڑ دیا بلکہ جیسا کہ الہی نجات دہندہ کی خبر دی ویسا ہی الہی پاک کنندہ کا پیغام بھی ہم کو سنایا۔ اور یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے نہ صرف گناہ دور کئے جانے کا بندوبست کیا ہے بلکہ دل کے بدلنے اور سر نو پیدا ہونیکا انتظام بھی کر دیا ہے۔

یاد رکھنا چاہئے کہ الہی صداقتوں اور رُوح اللہ کی تاثیر عموماً ایک دوسرے کے ساتھ ملتی ہوئی ہوتی ہے۔ گنہگار کے پاک اور صاف کرنے کا انتظام جو اللہ تعالیٰ نے کیا ہے اُسکی تعریف کی کچھ حد نہیں ہے تو بھی انسان اپنی بگڑی ہوئی ذات کے سبب زور سے اُسکا مقابلہ کرتا ہے۔ ایک طرف الہی صداقتوں کی اور دوسری طرف بگڑی ہوئی انسانیت کی تاثیرات آہستہ آہستہ اور رُٹنے کو تیار ہوتی ہیں اُسی کا نام

روحانی جنگ ہے۔ پر خدا کا شکر ہو جو کمزوروں کو غالب کرتا ہے۔ الہی تاثیرات کو دل میں نہیں ہوتی ہیں تو بھی پُرانی انسانیت پر اللہ کی مدد سے غالب آتی ہیں۔ یہ تو سچ ہے کہ کلام الہی نورانی صداقتوں اور الہی تاثیروں کا خزانہ ہے۔ اور طاقت رکھتا ہے کہ دل کو موثر کر دے۔ پر اُسکا زور اللہ تعالیٰ میں ہو کے ہوتا ہے۔ چنانچہ خداوند یسوع مسیح ایک جگہ کہتا ہے کہ اُنکو مسیح کے شاگردوں کو اپنی صداقت سے پاک کر تیرا کلام صداقت ہے۔ دوسرے طور پر گویا وہ یہ کہتا ہے کہ اسی خدا باپ اپنی طاقت کو اپنی صداقت کے ساتھ جانے دے۔ اُنکے دلوں کو کھول کہ صداقت کو قبول کریں۔ اور اپنی الہی تاثیرات اُنکے دل پر پورا قبضہ کر لیں حضرت پطرس بھی اسی مضمون پر یوں کہتے ہیں کہ میں نے غیر قوموں کو کلام الہی سنایا اور اللہ نے جو دلوں کا جاننے والا ہے اُسپر گواہی دی اور ہماری طرح اُنکو اپنا رُوح القدس عطا کیا۔ اور ہم میں اور ان میں کچھ فرق نہ کیا بلکہ ایمان کے وسیلے اُنکے دلوں کو پاک صاف کیا اعمال ۹: ۱۵۔ گویا حضرت پطرس صاف فرماتے ہیں کہ انہوں نے کلام خدا کو گون گونایا اور اللہ نے ایمان کے وسیلے رُوح القدس کی پاک کرنے والی تاثیرات کو اُنکے دل میں جگہ دی۔

یاد رکھنا چاہئے کہ انجیلی صداقتوں کے گروہ میں سے ایک یہ بھی ہے کہ الہی تاثیر الہی کلام کے ساتھ اکثر ہوتی ہے۔ کوئی واقعہ رُوح القدس کی ہوتی ہے مگر تفسیر

بھی سچ ہے کہ کلام کے ساتھ ہوتی ہے۔ نہیں تو کلام ربانی کی مادی اور مطالعہ سے فائدہ کی امید نہیں ہو سکتی۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ کلام الہی میں یہ تاثیرات بذات خود موجود ہیں کہ ہر ایک دل پر اثر کرے۔ ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ کلام الہی کی تاثیر روح القدس کے وسیلہ سے اُس دل پر ہوا کرتی ہے جو اُسے مبارک وعدوں کو زور سے پکڑے اور انکے پورا ہونے کی دعا کرے تاکہ وہ پاکیزگی پیدا کریں۔

پس جب ہم دیکھیں کہ ہماری کمزوریں بے شمار ہیں تو مناسب نہیں کہ ناامید اور بے دل ہو جائیں۔ اور نہ اسوقت کہ ہم سارا زور لگا کے پھر بھی ہار جائیں۔ بلکہ بیشتر اُس بیرونی امداد کی استدعا کریں جس کا وعدہ خداوند ہم سے کرتا ہے۔ لوقا ۱۱: ۹۔ ۱۲۔ اور جسکی امداد سے ہم گناہ پر فتح پانے کے پاکیزگی حاصل کر سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ سب انتظام اللہ سے ہوا ہے اور جائز نہیں ہے کہ اُس مدد کی طلب نہ کریں جس کا اللہ تعالیٰ ہر ایک دعا کرنے والے سے وعدہ فرماتا ہے۔ جنگ خطرناک ہوا کرے۔ لڑائی سخت ہو تو ہو پر اگر ہمارے دل اللہ کے مسکن ہوں اور ہم ہر وقت مدد کی خاطر بننا یسوع مسیح کے وسیلے اسکی طرف دیکھا کریں تو عموماً ہمارے چال چلن پاکیزہ ہونگے۔ اور گو کبھی کبھی ہم ٹھوکر بھی کھا جائیں تو بھی ہم اکثر فتح پاتے ہیں اور آخری فتح ضرور پائیں گے۔

حاصل کلام ایمان سے یہ عمدہ تاثیرات نکلتی ہیں اور صاف ظاہر ہے کہ

ان سے اللہ تعالیٰ کی کیسی دانائی اور مہربانی ظاہر ہوتی ہے۔ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ ایمان کو راستہ بڑھانے کے واسطے بنانے میں اللہ تعالیٰ کی کیسی حکمت اور محبت ظاہر ہوتی ہے اور اب ہم الہی حکمت کو دیکھنے کیسے حیران ہوتے ہیں کہ اُسے کیسا عمدہ علاقہ پاکیزگی اور ایمان میں مقرر کیا ہے۔ فرض کرو کہ اللہ تعالیٰ ہماری خراب اور برباد شدہ قوم کو معافی کا پیغام سناتا اور کہتا کہ اے گنہگار واد میں تم کو الہی رحمت سے یوں ہی بخش دینگا اور وہ وسیلہ نہ بنانا جس سے انسان کی نجات میں الہی عزت اور عدل قائم رہے تو کیونکر ممکن تھا کہ انسان کا دل اسکی طرف پھر سکتا یا تبدیل ہو جاتا بلکہ یقیناً گناہ کی طرف زیادہ مائل ہوتا۔ اگر وہ صرف یہ ہی کہہ دیتا کہ اے گنہگار خیر تو تھے تو گناہ کیا پر یہ طاقت رکھتا ہوں اور اسکو اب استعمال کرتا ہوں کہ تجھے یوں ہی بخش دیتا ہوں۔ تو انسان کو کس کی غیبت ہوتی۔ گناہ کی یا گناہ سے بچنے کی؟ کیا دل اسوقت یہ نہ کہتا اللہ تو مجھے بخش ہی دیگا پھر گناہ کیوں نہ کرں۔ اور کیوں فرے نہ اُراؤں کیوں دل کی خواہش روکوں۔ بلکہ فرے اُراؤں عیش کر لوں اور لذت لوٹ لوں۔ آخر کار بخشش تو ہماری رہیگی۔ پھر فرض کرو کہ اللہ یہ بھی مقرر کرتا کہ گنہگار اس مذکورہ بالا طریقہ سے نجات پانا۔ اور بہشت میں چلا بھی جاتا تو وہ وہاں کے لائق نہ ہوتا اور وہاں کی روحانی خوشیوں میں خوش بھی نہ ہو سکتا۔ بلکہ وہ بہشت جہاں وہ خوش نہ ہو سکتا دوزخ ہو سکے اُسے دیکھ دیتا اُس سے زیادہ بد حال کس شخص کا ہو سکتا ہے جس نے گناہوں کی سزا کی معافی حاصل

کی چس کا دل اور مزاج اُس جگہ کے لائق نہیں جہاں اُسے ہمیشہ تک رہنا ہوگا۔ جس صحبت میں دل خوش نہ ہو اور جہاں کی خوشی میں کچھ مزہ نہ آئے وہاں حید لمحہ کاٹنے مشکل ہوتے ہیں اور ایسے معلوم ہوتے ہیں جنکا کاٹنا کٹھن ہو جاتا ہے مثلاً صوفی کو رندوں کی اور رند کو صوفیوں کی مجلس میں جانا اور رہنا کیسا مشکل ہے تو کتنا زیادہ اُس گنہگار کو ہوگا جس کا دل درست نہیں ہے اور جو پاکیزگی سے بالکل ناواقف ہے کہ وہ بہشت میں جائے اور وہاں رہے۔ جہاں مرد اور عورت کا مزاج باہم موافق نہ ہو تو وہ گھر دونوں کی واسطے زندان سلیمانی ہوتا ہے تو کتنا زیادہ اُس شخص کی واسطے بہشت ہوگا جہاں کوئی بھی اُسکے مزاج کا نہیں ہے جس سے بول کے اور نہیں کے وہ دل بہلائے۔ پر دیکھو اہی رحم کی منادی کے ساتھ ہی ساتھ اہی محبت اور اہی بخشش کی منادی بھی رہتی ہے جو اپنے اپنے ابن وحید کے وسیلے دنیا میں ظاہر کی ہے کہ گنہگار خداوند یسوع کی محبت کے کام کو دیکھ کے حیران ہو جائے اور اُسکی محبت کا گردیدہ ہو جائے جس نے اُسے یہاں تک پار کیا کہ اپنا آسمانی جلالی تخت چھوڑ کے گندہ دنیا میں غریب عاجز مفلس محتاج اور درماندہ کی شکل لیکر آیا اور اپنی جان بھی اُسپر سے قربان کر دی۔ یہ محبت ساری رشتی پر غالب آتی ہے اور گنہگار کو یامردوں میں سے زندہ ہو کے ارادہ کر لیتا ہے کہ اپنے جسم اور جان کو خداوند کی خدمت میں دیدیگا اور اُسکی اطاعت اور فرمانبرداری کرے گا۔

یہ مسیحی ایمان ہے اور یہ اُسکے فوائد۔ دنیا بھر میں اور کونسا دین ہے جو گنہگار کے

لئے اتنا کچھ کر سکتا ہے یا کرنے کا دعویٰ کرتا ہے۔ یہ مسیحی دین اور مسیحی ایمان ہی کا طفیل ہے کہ قومیں مہذب اور تاریکی سے دور ہو جاتی ہیں۔ دنیا بھر میں اور کونسا فرقہ یا قوم ہے جس میں مسیحیوں سے زیادہ پاکیزگی اور روحانیت نظر آتی ہے۔ مسیحی دین فانی ہے۔ جہاں مسیحی دین ہے وہاں نور ہے۔ جہاں مسیحیت ہے وہاں تقدیس اور اللہ کی محبت ہے۔ جہاں خداوند یسوع بستا ہے وہاں پاکیزگی اور الہی جلال نظر آتا ہے۔

حاشیہ: شرم کی بات ہے کہ اکثر لوگ انگریزوں اور کل انگریزوں کو مسیحی کہتے ہیں۔ انگریز ہونا اور مسیحی ہونا اور۔ انگریزوں میں بھی بد معاش بد قماش اور بد چلن ہوتے ہیں۔ انگریزوں میں بھی بدین بدین کا فراور محمد ہوتے ہیں۔ انگریزوں میں بھی نا خدا پرست اور دہریا ہوتے ہیں۔ پر سب کے سب نہیں۔ مسیحی کا نشان یہ ہے کہ وہ جو مسیحی دین کے موافق زندگی بسر کرے وہ مسیحی ہے جو اُسکے خلاف چلے مسیحی نہیں ہے۔ حقیقت میں ہی پہچان کل مذہب کے پیروں کی ہے۔ ہندو وہی ہے جو ہندوؤں کے دین کے موافق عمل کرے۔ محمدی وہی ہے جو محمدی دین کے موافق زندگی کاٹے۔ مسیحی وہی ہے جو مسیحی دین کے موافق زندگی بسر کرے۔

مناسب ہے اور ضرور ہے کہ یہ بد خیال لوگ دل سے نکال دیں کہ ہر ایک انگریز مسیحی ہے۔

فصل ہفتم

پاکیزگی کا علاحدہ تیسرا زندگی کے ساتھ

اس کتاب کے پڑھنے والوں کو اوپر کے بیان سے بخوبی معلوم ہو گیا ہو گا کہ پاکیزگی جس سے ہماری مراد نہ صرف چلن کی بلکہ دل کی جان کی اور خیال کی پاکیزگی ہے ایک ایسی شے ہے جس کے بغیر ہم خدا کو دیکھ نہیں سکتے یعنی خدا کا وصال اور دیدار حاصل نہیں کر سکتے۔ عبرانیوں ۱۲: ۱۴ جہاں سے کہ آسمان کے قلابے زمین کے ساتھ لگے ہوئے ہیں اسی طرح سورج اور بہشت کے قلابے بھی زمین ہی کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ جبکہ انسان کا جی چاہے چلا جائے۔ اگر بہشت کو جانا چاہے تو بھی ضرور ہے کہ اسی دنیا میں اُسکی راہ لے کر دوزخ کو جانا چاہے تو بھی اسی دنیا میں وہ راہ پکڑے۔ غرض کہ دوزخ اور بہشت کا آغاز یہاں سے ہی ہوتا ہے۔ انسان اپنے فعلوں کا مختار ہے بہشت اور دوزخ دونوں کا دروازہ کھلا ہے۔ دونوں کی راہ یکساں معلوم ہے۔ انسان کا اختیار ہے کہ جس میں چاہے جائے خواہ اپنے نفس اتار دے اور دنیا سے غدار کی پیروی کرے اور دوزخ کو جائے یا پاکیزگی حاصل کرے اور بہشت میں پہنچے۔ جو لوگ دنیا کے ہیں وہ خدا کو حاصل نہیں کر سکتے۔ دنیا سے جدا ہونا چاہیے ورنہ خدا سے ملاقات نہیں ہو سکتی۔ اور دنیا سے جدا ہونے کی مراد یہ نہیں ہے کہ زن و فرزند وغیرہ سے علیحدہ ہو کر جنگل اور پہاڑوں میں جا رہے کو بھی کبھی گوشہ نشینی ضروری اور مفید ہوا کرتی ہے

اور چاہئے کہ ہر ایک شخص کبھی کبھی اس طور پر علیحدہ ہو کے اپنی بابت سوچا کرے اور اپنا حال خدا کو بتایا کرے، بلکہ یہ کہ دنیاوی چیزوں اور خواہشوں کو دل سے دور کر دے اور خدا کو دل میں رکھے۔

چیت دنیا اور خدا کا فاصلہ شدن

نہ طلاؤ فقرہ و فرزند وزن

ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ حقیقی نجات صرف یہی نہیں ہے کہ گناہوں کی معافی حاصل کرے یہ بھی نہیں ہے کہ اس قسم کی معافی حاصل کر کے ابھی مقرر ہوئی مجلس میں داخل کیا جائے بلکہ ایک اور ضروری بات یہ بھی ہے کہ قدوس خدا اور مقدسوں کی صحبت میں رہنے کے لائق ہو جائے یعنی طبیعت کا میلان تقدیس کی طرف ہوتا کہ اُس جگہ خوش رہے جہاں کامل تقدیس نظر آتی ہے۔ ایک جملہ میں نجات سے مراد پاکیزگی کل ہے۔ یعنی نہ صرف راستہ پر چلنا بلکہ راستہ پر چلنا۔ نہ صرف گناہ کی سزا سے بچنا بلکہ گناہ سے بچنا۔ نہ صرف معافی حاصل کرنا بلکہ پاکیزگی بھی حاصل کرنا۔ نہ صرف گناہوں کا دور ہونا بلکہ دل کی بدی اور بد راہی اور بد رغبت کا دور ہو جانا۔ نہ صرف بہشت میں چلنا بلکہ بہشت کے رہنے کے لائق ہو جانا۔ اگر کوئی شخص اسی دنیا میں اس نجات کو حاصل نہ کرے تو اُمید نہ رکھے کہ اُسے خدا کا وصال یا وہ جگہ حاصل ہو سکتی ہے جہاں ناپاک کا نام تک بھی نہیں پہنچ سکتا بلکہ جہاں قدوسیت اور تقدیس کامل ہے۔ اوپر کی فصلوں میں ہم نے اس امر کو بھی دیکھا ہے کہ مسیحی دین کی ایک عالمی بلکہ حقیقی

فضیلت یہ ہے کہ یہ الہی دین نہ صرف گناہوں کی معافی کی بات کہتا ہے بلکہ یہ بھی بتاتا ہے کہ اسی دنیا میں گنہگار انسان خداوند یسوع مسیح کے وسیلے بہشتی خواہ اور بہشتی مزاج حاصل کر سکتا ہے۔ اور یہ دین اسی دنیا میں روحانیت اور تقدیس کی تعلیم و تربیت دیکے اس لائق بنا دیتا ہے کہ جب انسان اس فانی بدن کو چھوڑے تو بہشت اور اسکی جلالی خوشیوں میں شامل ہو۔ یہ کام مسیحی دین اور صرف مسیحی دین ہی کر سکتا۔ یہ کام مسیحی دین اور صرف مسیحی دین ہی نے کیا ہے۔ اور یہ کام صرف مسیحی دین ہی کر سکا۔ کوئی دوسرا نہیں +

ہم نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اگر بغرض محال گنہگار معافی حاصل کر کے بہشت میں پہنچا بھی جائے درحالا لیکہ اُس کے دل میں بدی کی غیبت رہے تو بہشت اُسکو دوزخ سے بدتر ہو جائیگا۔ بہشت کی خوشیوں دوزخ کے عذاب سے اُسکے لئے زیادہ خراب ہو جائیگی۔ اور وہ نجات جو اسے حاصل ہوئی اُسکے لئے دکھ اور رنج کا باعث ہو جائیگی +

اس فصل میں ذرہ طوالت کے ساتھ ہم تین امروں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں +

اول۔ پاکیزگی کی ماہیت کیا ہے۔ جسکے بغیر کوئی خدا کو نہیں دیکھ سکتا +

دوم۔ کون کون سے وسائل ہیں جن سے روحانیت اور تقدیس حاصل ہو سکتی ہے +

سوم۔ تقدیس حاصل کرنا کیوں ضروری ہے +

اولا۔ واضح ہو کہ اگر تقدیس کی ماہیت اور کیفیت الفاظ میں سیکھنا اور یاد کرنا تو یہ

الفاظ یاد رکھنے کے قابل ہیں کیونکہ ان سے وہ کیفیت اور ماہیت کسی قدر معلوم ہو سکتی ہے۔ پاکیزگی

خدا کی مرضی کی مطابقت ہو جو دل اور چلن پر اثر کرتی ہو جس طرح کہ الہی کمالات دنیاوی کمالات کا پیمانہ ہے اسی طرح بالخصوص الہی قدوسیت ہماری تقدیس کا پیمانہ ہونی چاہئے۔ ہم تب ہی پاک ہو سکتے ہیں جبکہ اُسکی شکل ہمارے دلوں پر کندہ کیجائے اور ہماری زندگی کے اعمال افعال اور چلن میں اُسکا عکس نظر آئے حقیقی تقدیس یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صورت ہم میں پھر سے بن جائے۔ چنانچہ حضرت پولوس کہتے ہیں کہ نئی انسانیت کو پہنچو جو خدا کی صورت پر استبازی اور حقیقی پاکیزگی میں پیدا ہوئی۔ افسیوں ۲۷: ۲۴ - رؤیوں ۸: ۲۹ +

خدا کی مرضی دو طرح پر ظاہر ہوئی ہے۔ یعنی شریعت موسوی اور انجیل میں شریعت ہم کو بتاتی ہے کہ ہمارے فرائض کیا ہیں اور خدا کی طرف اس حیثیت سے کہ وہ ہمارا خالق اور پروردگار ہے اور وہ سارے کمالات کا چشمہ اور ساری خوبیوں کا مخرج ہے (۲) انسان کی طرف اس حیثیت سے کہ ہمارا ہم مخلوق بھائی ہے اور تمدنی تعلقات میں ہمارے ساتھ اُسکا رابطہ پڑتا ہے۔ پر انجیل شریف ان فرائض سے بڑے اور بھاری فرائض ہم پر لاؤالشی ہے۔ وہ ہم کو بتاتی ہے کہ ہمارے فرائض کیا ہیں (۱) اللہ کی طرف۔ اسلئے کہ وہ ہم سے صحبت کرتا ہے اور جب ہم اپنے قبیح گناہوں کے سبب اس لائق تھے کہ اُسکا غضب ہم پر نازل ہو اور ہم کو ہلاک کر دے تو ترس کھا کے نہایت نہربانی سے اُس نے اپنا پیارا بیٹا ہماری خاطر قربانی اور کفارہ میں دیدیا کہ اس طرح وہ ہمارے گناہوں کو معاف کر کے ہم کو اپنی قربت اور وصال دے (۲) انسان کی طرف اس حیثیت سے کہ ہم اور وہ دونوں ایک ہی سی یکسی کی حالت میں ہیں اور اللہ تعالیٰ دونوں کو ایک ہی سپاری بھری ہوئی نظر سے دیکھتا ہے

اور نجات دہندہ دونوں کے واسطے ہوا۔

اگر انسان اس الہی معنی کو جو ان دو طرح پر ظاہر ہوئی ہے اپنی زندگی کی ساری حالتوں میں مقدم سمجھے اور اپنے آپ کو اس کے مطابق بنا دے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ مقدس ہے۔

جہاں حقیقی پاکیزگی ہوتی ہے وہاں چند ایسے اور بھی موجود ہوتے ہیں جو خالص اور ناخالص تقدیس میں امتیاز کرتے ہیں پس ہم اس غرض سے کہ ہر ایک شخص خود اپنے واسطے سوچ لے کہ اسے حقیقی تقدیس حاصل کی ہے کہ نہیں چند مفصل ذیل امور کا بیان کرتے ہیں۔

اول۔ جس شخص نے تقدیس حاصل کی ہو وہ الہی قدوسیت کے خیال میں بہت خوش ہوتا ہے۔ مثلاً ممکن ہے کہ جو غرض انسان الہی رحم کے خیال میں خوش ہوتا ہے کہ خدا رحیم و کریم ہے یا اللہ تعالیٰ میں رحم اور محبت کی عالی اور حمیدہ صفات ہیں پر بالخصوص اس لئے کہ اللہ جل شانہ اس کے ساتھ

بار بار بھلائی اور رحم کرتا ہے اور اسے خیال ہوتا ہے کہ خواہ میں کیسا ہی گنہگار کیوں نہ ہوں وہ مجھ پر رحم کرے گا۔ پر الہی کمالات اور خصوصاً قدوسیت سے خوش ہونا یعنی اس خیال سے خوش ہونا کہ اللہ تعالیٰ

قدوس ہے کہ وہ ناپاک کے ساتھ مقاربت کر نہیں سکتا اور حکم دیتا ہے کہ ہم پاک ہو جائیں اس لئے کہ وہ پاک ہے اسی روح کا کام ہے جس نے پاکیزگی حاصل کی ہو۔ کدیم جنس باہم جنس پر از کی مشہور

مثال کے بموجب ہونہیں سکتا کہ انسان جو اپنی ناپاکی میں خوش ہوتا ہے کسی طرح خدا کی قدوسیت کے خیال سے خوش ہو۔ بلکہ وہ بیشتر خدا سے ڈرتا اور کانپتا ہے اور اس کی حضوری سے دور بھاگتا ہے کیونکہ اس کو

خدا کی قدوسیت بھسم کرنے والی آگ معلوم ہوتی ہے۔ پر وہ روح جو پاک ہے خدائے قدوس سے خوش ہوتی

ہے اور کہتی ہے کہ اسی خدا میں تجھ سے خوش ہوں اور تیرا جلال ظاہر کرتی ہوں اس لئے کہ تو قدوس ہے۔ مکاشفہ ۱۵: ۲۷۔

دوم۔ وہ روح جو پاک ہے خدا کی شریعت میں خوش ہوتی ہے۔ اس لئے کہ خدا کی شریعت پاک ہے۔ شریعت خدا کے کمالات کی تصویر ہے جو اس کے چہرہ سے ظاہر ہوتی ہے۔ اگر ہم اصل کو پیار کرتے ہیں تو

اس کی تصویر کی بھی عزت کریں گے اور اس سے خوش ہوں گے۔ جیسا کہ ایک شخص جو دوسرے کو پیار کرتا ہے اس کی تصویر کو دیکھنے سے بہت خوش ہوتا ہے خصوصاً جبکہ اس کا پیارا اسے ظاہری آنکھوں سے نظر نہ آئے

اسی طرح وہ روح جو پاک ہے اس الہی تصویر کو جو شریعت ہے دیکھنے سے خوش ہوتی ہے۔ زبور ۱۱۹: ۲۷۔ ۱۹: ۷۔ ۱۰۔ رؤیوں ۱۲: ۷۔ ۲۲۔

سوم۔ جو روح پاک ہوتی ہے وہ نجات کی اس راہ میں نہایت خوش ہوتی ہے جو خداوند یسوع مسیح سے ہے۔ کیونکہ اس راہ سے الہی کمالات کی خصوصاً اس کی قدوسیت کی خوبصورتی

کو برا جلال حاصل ہوتا ہے۔ ہم پہلے اس امر کا مفصل ذکر کر چکے ہیں کہ وہ راہ جو خداوند یسوع مسیح نے نکالی ہے اسی

ہے کہ اس میں دونوں باتیں موجود ہیں جو نجات کی واسطے ضروری ہیں۔ یعنی خدا کی عدالت کا قائم رہنا اور خدا کے قانون کی عزت ہونا۔ اور یہ دونوں امر خداوند یسوع کی فرمانبرداری اور دکھ سے

پورے ہوئے۔ اب ضرورت صرف اس امر کی باقی ہے کہ گنہگار جس کے گناہ خداوند یسوع کو وسیع معاف ہوئے صرف وہ پاکیزگی حاصل کرے جس کے بغیر کوئی خدا کو دیکھ نہیں سکتا۔ یہ کہ ہم روح القدس

کے وسیلہ سے ہو سکتا ہے جو ہم کو پاک صاف کر کے اس لائق بناتا ہے کہ خدائے قدوس کے ساتھ مقاربت کر سکیں۔ غرض کہ اس صورت میں خدا کی حکمت عدالت اور قدوسیت کا جلال نظر آتا ہے۔ اور صرف یہی راہ ہے جس میں گنہگار کی معافی اور الہی قدوسیت کی عظمت دونوں باہم پوری ہوتی ہیں۔ پس یہ حال دیکھو وہ فوج جو پاک ہے خوش ہوتی ہے اور خدائے قدوس کی حمد کرتی ہے کہ آسمان کو پیچھے کاراہ پاکیزگی ہے اور مقدس ہونیکے بغیر قدوس اللہ تعالیٰ کی صحبت ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی تب وہ خوشی سے اس الہی راہ پر قدم دھرتی ہے یہ جان کے کہ اس راہ پر چلنے سے وہ خراب نہیں بلکہ دن بدن زیادہ نیک پاک اور مقدس بنتی چلی جائیگی۔ اور آخر الامر قدس الا قداس میں قلّ وس قلّ وس قلّ وس خداوند کے حضور پہنچے اسکی تعریف اور ستائش کریں گی۔

چہارم۔ پاکیزگی کا ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ جسکے دل میں یہ بستی ہے وہاں خدا کے پاکیزہ احکام اور فرائض کی مجبوری نہیں بلکہ خوشی فرمانبرداری کا شوق اور ارادہ ہوتا ہے چنانچہ وہاں یہ خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ خدا کی صحبت دنیا میں حاصل ہو جائے۔ وہاں یہ خوشی ہوتی ہے کہ کسی طرح خدا کی مرضی اور خوشی پوری ہو۔ دنیا کی دولت عزت حیثیت خوبصورتی اور خوشی حاصل ہوں نہ ہوں صرف ایک امر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی خوبصورتی کو دیکھنے کے اس کے چہرہ کے جلال نظر کرے۔ زبور ۲: ۴۷۔ زبور ۱۳۹: ۱۷۔ زبور ۴۳: ۵ و ۶ و ۷۔ غرض کہ اسکی کامل خوشی خدا کی صحبت اور انسان کی بجلائی میں ہوتی ہے۔ دیکھو زبور ۱۱۲: ۵ و ۹۔ اور پلا قمرتوں ۹: ۲۷۔ یہ نہیں کہ اس فانی جسم اور گندہ دنیا میں کوئی شخص بالکل پاک اور کامل ہو سکتا ہے ممکن ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے

کہ وہ کسی نہ کسی بدی میں گرفتار ہو جاتا ہے اسکی عادت اور خوشی یہ ہوتی ہے کہ پاک گفتار اور پاک رفتار رہے۔ اور جب اس سے کوئی خطا یا لغزش ہو جاتی ہے تو وہ اپنے آپ سے بہت رنجیدہ ہوتا ہے اور روتا ہے اور کڑھتا ہے اور دعا کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ پھر اس سے ایسی بات سرزد نہ ہو۔ ثانیاً۔ کون کون سے وسائل ہیں جن سے روحانیت اور تقدیس حاصل ہو سکتی ہے۔

۱۔ سب سے پہلے ضروری ہے کہ انسان خود کو غور اور تعمق کی نظر سے دیکھے اور اپنی حالت کو درستی سے آزمائے۔ یہ ذرہ مشکل بات تو ہے کیونکہ دل اکثر اس کام کو بھاری خیال کرتا ہے اور اس سے کچھ خوش نہیں ہوتا۔ بلکہ جب کبھی انسان اس کام کو کرنا چاہے تو اسے لاچار ہو کے چھوڑ دینا پڑتا ہے تو بھی ایک بات تو انسان نہایت آسانی سے کر سکتا ہے اور یہ ہے کہ وہ اچھی طرح سے دیکھ سکتا ہے کہ آیا وہ پاک ہے یا ناپاک کیونکہ اسی بات کے فیصلہ پر بہت کچھ منحصر ہے۔ جن نشانات کا ہم نے اوپر یعنی پہلے حصہ میں ذکر کیا ہے اگر وہ ہم میں پائے جائیں تو ہم خدا کے نزدیک مقدس ہیں اگر وہ نہ پائے جائیں تو مناسب نہیں ہے کہ ہم اپنے آپ کو فریب دیں اور اپنی بربادی کو اپنے اوپر لے آئیں بلکہ اسے تسلیم کر لیں کہ ہم ناپاک نجس اور لعین ہیں۔ شاید بہت سے لوگوں کو یہ الفاظ غیر مہذب اور نامناسب معلوم ہوں گے پر مجھے معلوم نہیں ہے کہ کون سے اور موزون الفاظ ہیں جن سے میں اپنے سب سے پیارے کو خطاب کروں جبکہ میں دیکھوں کہ تقدیس اس میں نہیں ہے۔ ان سے زیادہ اور ملائم الفاظ مجھے معلوم نہیں ہیں جب خدا کے نزدیک ایسا شخص ناپاک نجس اور لعین ہے تو ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو بھی ایسا ہی

سمجھے اور جب وہ اپنی نسبت یہ خیال کرنے لگے تو یقین جانے کہ فضل اُسکے دروازے پر کھڑا ہے اور منتظر ہے کہ دروازہ کھلے اور وہ داخل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ایک خاصہ یہ ہے کہ جب انسان اپنے آپ کو ایسا سمجھنے لگے جیسا کہ فی الحقیقت وہ ہے تو اللہ اُسکی سیسی اور لاچاری کو دیکھ کر اُسپر رحم کھاتا ہے اور کہتا ہے کہ اسی سے بیٹے میں تجھے پاک صاف کرونگا۔ میں کر سکتا ہوں۔ میرے پاس دُستِ راہ سے آ۔ مجھ سے مدد مانگ کہ میں تجھے اپنے ابنِ حید کے بہو سے پاک صاف کر کے روح القدس دوں گا اور تو پاک صاف ہو جائیگا +

یہ سچ ہے کہ پہلے پہل شاید اپنی حالت پر غور کرنا بھاری معلوم ہو پر ذیل کے چند طریقے ایسے ہیں جن سے یہ کام زیادہ آسان ہو جائیگا +

(الف) کوئی خاص وقت مقرر کرنا چاہئے کہ اُس میں تمام بیرونی اشیاء کے خیال سے علیحدہ ہو کے اپنی حالت پر غور کرو۔ اور دیکھو کہ کون کون سی نادانی خطا اور گناہ تم سے سرزد ہوئے۔ اگر دن بھر میں دس پندرہ منٹ یہ کام کیا جائے تو روحانیت کو بڑی ترقی ہوتی ہے۔ غالباً رات کو بستر پر جانے سے پہلے ہر ایک شخص یہ کام کر سکتا ہے اور وہ وقت اس کام کے واسطے موزون بھی ہے۔ کیونکہ دن بھر کے کام سے فارغ ہو کر اُسپر ایک نظر ڈال سکتا ہے +

(ب) اگر کوئی شخص روزمرہ یہ کام نہ کر سکے تو غالباً اتوار کے دن تو ہر ایک شخص ضرور یہ کام کر سکتا ہے مناسب ہے کہ عبادتِ الہی میں شریک ہونے سے پہلے اور نہیں تو ذرا ہی دیر

خلوت میں جائے اور خوب سوچے کہ اُس نے پچھلے ہفتہ میں کیا کیا کیا۔ اور کیا کیا نہ کیا۔ اپنے نقص و قبح سے خوب واقف ہو کے اللہ تعالیٰ کی مدد کی درخواست کرے اور اُسے اپنا حال بتائے اور کوشش کرے کہ آئندہ کو اُس سے پھر وہ کام نہ ہوں + ج خصوصاً عشاءِ ربانی کا موقع اس کام کے واسطے نہایت مفید ہے کیونکہ اُس وقت دل تیار ہوتا ہے اور یہ کام آسانی سے ہو سکتا ہے پس مناسب ہے کہ نہ صرف ہر ایک دن باہر ایک ہفتہ پر اس بات کو موقوف کریں بلکہ اُنکے علاوہ عشاءِ ربانی سے پہلے خاص طور پر اپنی حالت کو دیکھیں اور پھر شریک ہوں +

(۲) روحانیت کا ایک بڑا بھاری فائدہ اس امر سے ہوتا ہے کہ انسان خود مصمم ارادہ کرے کہ جس طرح سے ہو سکیگا وہ بدی غلب آئیگا۔ یہ تو سچ ہے کہ الہی مدد کے بغیر انسان کچھ کر نہیں سکتا پر الہی مدد نہیں کو ملا کرتی ہے جو زور سے کوشش کرتے ہیں۔ انسان کا کام یہ نہیں ہے کہ خود اکیلا لڑائی کرے۔ کیونکہ اگر اکیلا لڑیگا تو ضرور شکست کھائیگا۔ اُس کا کام صرف یہ ہے کہ ہوشیار رہے اور غور کی نظر سے چاروں طرف دیکھتا رہے کہ کوئی جانی دشمن چپکے سے نہ آجائے اور جب کسی کو دیکھے تو صاف سارا حال اللہ تعالیٰ سے کہہ دے اور ارادہ کرے کہ اللہ تعالیٰ کا سپاہی اور اُسکے ماتحت اور پیچھے ہو کے اُنکی مخالفت کرے اور اُس سے روک دے۔ نہ صرف گناہ پر غالب آنے میں اس قسم کا ارادہ مفید ہوتا ہے بلکہ روحانیت اور تقدیس کے چھل کرنے میں بھی مصمم ارادہ جو الہی مدد کے ساتھ کیا گیا ہو بہت ہی مفید ہوتا ہے۔ غرض کہ انسان یوں سمجھے کہ یہ اسکی ادبیت

کا معاملہ ہے کہ اگر اب تقدیس حاصل کرے تو خیر ورنہ ہمیشہ تک اللہ تعالیٰ سے دور عذاب میں رہنا پڑیگا۔ یوں اسکی سب سے بھاری اور طاقتور خواہشیں تقدیس کے حاصل کرنے کی خواہش تکملہ ہونگی۔ اور کوشش کریگی کہ تقدیس حاصل ہو جائے +

(۳) فضل کی وسایل کا دوامی استعمال بھی ضرور ہر فضل کے وسائل بہت ہیں مگر صرف چند ایک کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے +

(الف) کلامِ خدا کی غور اور سنجیدگی سے تلاوت کرنا یا سننا۔ اور اسکا اطلاق اپنے اوپر کرنا + بعض کا خیال ہے کہ اللہ کی کلام کو محض پڑھ ہی لینا مفید ہے۔ مگر یہ غلط ہے بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ کلام اللہ کو پڑھتے ہیں پر کچھ فائدہ حاصل نہیں کرتے محض اس لئے کہ وہ صرف اس غرض سے نہیں پڑھتے کہ اس کو اپنی حالت چسپاں کریں۔ اگر کوئی شخص علم یا اخلاقی تعلیمات کے خیال سے کلام ربانی کو پڑھے تو اتنا فائدہ نہ اٹھائیگا جتنا کہ وہ شخص جو کلام اللہ کی تلاوت کرتا ہے محض اس غرض سے کہ اسے اپنی حالت پر لگائے اور اس سے اپنی روحانیت کی غذا نکالے +

(ب) عمدہ اور چیدہ کتابیں یا کہانیں بھی پڑھنا یا سننا۔ کلام اللہ شیرینی ہے اگر انسان ہمیشہ شیرینی کھایا کرے تو اسکا جی بھر جاتا ہے۔ ویسا ہی اکثر ہمیشہ اور ہر وقت کلام اللہ نہیں پڑھا جاسکتا۔ چنانچہ خدا کی کلیبیانے ہزار ہا مفید کتابیں لکھی ہیں۔ جو روحانیت کی ترقی کیواسطے مفید ہیں انکے سیر مطالعہ سے بہت فائدہ ہوتا ہے +

(ج) سیچوں کی عام دعاؤں میں شریک ہونا جہاں کلام خدا کی تعلیم ہوتی ہے۔ عام عبادت گاہ سے ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ جب دل کسی قدر ٹھنڈا ہو جائے تو ایسے موقعوں پر سرگرم ہو جاتا ہے۔ اور کلام اللہ کی تعلیم خفہ دل کی منید کو دور کر کے جگادیتی ہے۔ چنانچہ تجربہ کیا گیا ہے کہ جو لوگ عام عبادتوں میں زیادہ شریک ہوتے ہیں اکثر زیادہ روحانی مزاج حاصل کرتے ہیں اور زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں +

(د) بدی اور بدیاریوں کی صحبت سے علیحدہ ہونا اور ان لوگوں کی صحبت میں رہنا جنہوں نے روحانیت اور تقدیس حاصل کی ہو۔ ایسے لوگوں کی رفاقت سے ہزار ہا ہزار مشکلات بری آسانی سے حل ہو جاتی ہیں وہ اپنے تجربہ سے بتا سکتے ہیں کہ کیا کیا اور کرنا چاہئے کہ روحانیت کو مدد دے +

(ه) آسمان اور زمین کے خدا کے حضور عاجزی سے جھکنا اور گناہوں کا اقرار نہ مجملہ مفصلہ کرنا۔ بالخصوص ان گناہوں کا جن سے دل مانوس ہو صاف صاف اور بے عذر اقرار کرنا۔ اور خدا سے نہایت عاجزی سے التماس کرنا کہ وہ اپنا فضل بخشے کہ ان سے مخلصی ہو جائے۔ اور جب تک فضل حاصل نہ ہوئے تب تک دعا کے وسیعہ ہمیشہ اسکی درخواست کرتے رہنا۔ یہ ایک برا وسیلہ ہے جس سے نہ صرف گناہ کا زور ٹوٹ جاتا ہے بلکہ روحانیت بہت طاقت پکڑتی ہے +

(و) زور سے دعا کرنا کہ روح القدس دل میں نازل ہو۔ کیونکہ یہ صرف اسی سے ہو سکتا ہے

خدا کی صفات لیکر اُسکے پاس جا کے اور خوش ہو چونکہ حبسِ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ لا تبدیل ہے پس صرف ایک ہی صورت ہو سکتی ہے کہ گنہگار خدا تعالیٰ کے پاس پہنچ جائے اور وہ یہ ہے کہ انسان جو ہمیشہ تبدیل پذیر ہے آپ ہی بدل جائے۔ کوئی اور طریقہ نہیں ہے نہ ہو سکتا ہے +

چہارم۔ اگر خدا کسی صورت سے یہہ کر سکتا کہ گنہگار کسی اور طرح سے بچ جائے اور بہشت میں خوش ہو سکے تو ہرگز ہرگز ایسا دکھ اور عذاب اپنے پیارے بیٹے کو نہ دیتا جسے اُس نے صلیب پر بے عزتی اور دکھ کی موت مرنے دیا اور موت اور قبر کے حوالہ کیا۔ اگر یہہ ہو سکتا کہ گنہگار کسی اور صورت سے خدا تعالیٰ کے پاس پہنچ جائے تو اُسکے حقیقی اور اکلو تے بیٹے کا خون نہ بہایا جاتا اور وہ چوروں اور ڈاکوؤں کی موت نعرہ پس اگر گنہگار ایسی بے بہا قربانی کو دیکھے پھر بھی اپنے گناہ میں رہے اور اُس میں خوش رہے تو کیا ہو سکتا ہے کہ وہ کبھی خدا کے قدموں کے ساتھ مقارب کرے۔ مسیح کا خون بہایا گیا محض اسلئے کہ انسان پاک ہو جائے۔ اور اب اگر وہ پاک نہ ہو تو اللہ سے ملاقات نہیں ہو سکتی +

پنجم۔ نہ صرف آئندہ زندگی کی واسطے ضروری ہے کہ انسان پاک صاف ہو جائے اور مقدس بن جائے۔ بلکہ حال کی زندگی کا بھی اس سے بڑا فائدہ ہے۔ تقدیس ضمیر کو خوش رکھتی ہے۔ تقدیس دنیا میں بھی فخر اور عزت بخشی ہے۔ تقدیس سے انسان کا وقار و عظمت بڑھ جاتا ہے۔ دکھوں میں تسلی تقدیس سے ہوتی ہے۔ تقدیس ہی دنیاوی تغیر و تبدل میں انسان کے دل کو برقرار اور قائم رکھتی ہے۔ تقدیس ہی دنیاوی آلائشوں اور گندگیوں سے علیحدہ رکھتی ہے۔ تقدیس ہی گناہ

میں انسان کا مزاج بہشتی اشیاء کا شائق اور خوشگرفتہ نہ ہو تو ناممکن ہے کہ وہاں خوش ہو سکے جہاں اگر مزاج اور طبیعت کے موزوں ایک بات بھی نہیں ہے۔ اگر الہی صفات و کمالات کا خیال ایسی دنیا میں اُسے خوش نہ کرے تو وہ آسمان میں بھی خوش نہیں ہو سکیگا۔ کیونکہ بہشت میں الہی کمالات کا عالی اور حمیدہ ظہور ہوتا ہے۔ متی ۵: ۸ کا مقابلہ کرو۔ پہلا قریبوں ۱۰: ۱۳۔ اور زبور ۱۸: ۱۵۔ سے وہاں کی خوشی یہہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کو اپنا حصہ اور سخرہ اور سب کچھ جانیں۔ زبور ۳۴: ۵۔ اور ۲۶: ۲۔ اور اُسکی دائمی خدمت اور شکر گزاری اور حمد کریں۔ پس جو لوگ ایسے کاموں میں بہاں خوش نہیں ہو سکتے وہ کیونکر آسمان میں جا کے خوش ہو سکتے ہیں۔ بلکہ زیادہ تر قیمن اس بات کا ہوتا ہے کہ ایسے لوگ آسمانی خوشیوں سے ایسے ناراض اور ناخوش ہونگے کہ بہشت اُن کے لئے دوزخ ہو جائیگا اگر بہشت اور اُسکی خوشیوں مطلوب ہیں تو تقدیس حاصل کرنا ضروری ہے +

سوم۔ پہلے حصہ میں یہ بیان ہوا ہے کہ خدا تعالیٰ لا تبدیل ہے۔ جسکے ساتھ مقارب ہو نہیں سکتی جب تک کہ تقدیس حاصل نہ ہو جائے۔ پس ظاہر ہے کہ صرف دو طریقے ہیں کہ انسان اللہ کے پاس پہنچے۔ اور اُسکی آسمانی خوشیوں میں خوش رہ سکے۔ یا تو یہ کہ اللہ تعالیٰ یا بہشت بدل جائے یا انسان اپنی خواہش یا عادت میں بدل جائے۔ یعنی یہہ کہ یا تو اللہ تعالیٰ اپنی ذات چھوڑ کے اور اپنی قدوسیت سے علیحدہ ہو کے بدل جائے اور نعوذ باللہ تا پاک بن جائے۔ تاکہ گنہگار کا ہم تہ اور برابر ہو سکے اُس سے خوش رہے اور اُسے خوش کرے۔ یا یہہ کہ انسان اپنے گناہوں سے دور ہو اور پاک ہو جائے اور قدوس خدا کے ساتھ صحبت کر سکے تاکہ وہ

سے دور رکھتی ہے۔ ہاں اُس گناہ سے جو نہ صرف آئندہ زندگی کی واسطے موت اور ہلاکت ہوا بلکہ حال کی زندگی میں بھی ہمیشہ بھاری دکھ اور عذاب پیدا کرتا ہے۔ تقدیس خوشی بخشی ہے جیسا کہ گناہ دکھ دیتا ہے۔ گناہ کی لذت تھوڑی سی دیر کی ہوتی ہے جسکے بعد بڑا بھاری دکھ ہوتا ہے۔ گناہ کو روکنے میں ذرہ سی تکلیف اور ہمیشہ کی راحت رہتی ہے چنانچہ بلحاظ دنیاوی فائدہ کے بھی ضرور ہے کہ انسان اسی دنیا میں تقدیس حاصل کرے۔

ششم خصوصاً مسیحیوں کو تو بہت ہی ضرور ہے کہ تقدیس اور روحانیت میں رہیں۔ کیونکہ ابن اللہ نے اُنکے واسطے اپنی جان ویدی اور ان سے پیہ چاہتا ہے کہ بدی اور بد مزاجی سے دور ہو جائیں اور الہی مزاج حاصل کریں۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو صلیب کے مدعا کو نظر سے علیحدہ کرتے اور پیہ ثابت کرتے ہیں کہ وہ سچی نہیں ہیں۔

ہفتم۔ جو لوگ تقدیس حاصل نہیں کرتے وہ الہی غضب کے نشانہ بنے رہتے ہیں اور آخر اللہ تعالیٰ سے دور رہے ہمیشہ کے عذاب اور دکھ میں پڑے رہیں گے۔ پس خدا کے غضب اور قہر سے بچنے کی واسطے بھی ضرور ہے کہ گنہگار بدل جائے اور پاک اور مقدس ہو جائے۔ غرض کہ جس پہلو سے دیکھو سطرون سے نظر کرو تقدیس کی بھاری ضرورت صاف آشکارا ہے جس نے خدا کو دکھایا اُس نے اور سب کچھ دکھایا جس نے خدا کو نہ دکھایا اُس نے کونسی نیکی اور خوشی دیکھی۔ اللہ ساری خوبی اور نیکی اور خوشی کا چشمہ ہے۔ پس امی گنہگار یا تو اللہ کی صحبت حاصل کرنے کی غرض سے بدل جائیں تو خدا کے غضب سے بچنے کی واسطے ہی ہے۔ غرض کہ اسی دنیا میں وہ پاکیزگی حاصل کر جسکے سولے کوئی

خدا کو دیکھ نہیں سکتا۔

فصل دوم

تمثیل۔ چند نصیحتی کلمے

کتاب ہذا کا خاتمہ نزدیک ہے پر ایسے بھاری مضمون کو بغیر خاص خاص لوگوں کو خطاب کرنے کے چھوڑ دینا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ اگر ہم نے عقلاً اس بات کو ثابت بھی کر لیا کہ حضرت مسیحی دین ہی اللہ سے ہے۔ یا اگر ہم نے اس امر کا خوب فیصلہ بھی کر لیا کہ یہی دین انسان کی حقیقی ضروریات کو دور کرتا ہے۔ یا اگر ہم نے یہ بھی دیکھ لیا کہ یہی اور صرف یہی راہ ہے جس میں انسان اللہ تعالیٰ سے ملاپ کر کے مقدس ہو سکتا ہے اور خدا کے قدوس کے ساتھ ابدال با رہ سکتا ہے۔ اگر ہم نے یہ سب کچھ سمجھ لیا اور دیکھ لیا تو بھی کیا فائدہ جب تک کہ خاص ہماری ذات کو اس سے فائدہ نہ پہنچے۔ یا جب تک ہم خود ان صداقتوں سے موثر نہ ہوں۔ اربلئے ہم ناظرین کتاب ہذا سے درخواست کرتے ہیں کہ اور تھوڑی دیر ہمارے ساتھ رہیں اور ذیل کی چند سطور کو بڑی غور اور سنجیدگی سے سنیں۔

دوا اور صرف دوا ہی قسم کے لوگ دنیا میں ہیں۔ یعنی غیر مسیحی اور سچی۔ چنانچہ ہم۔
اول۔ غیر مسیحی اشخاص سے یوں کہتے ہیں کہ امی لوگو جو کام تم سے نہیں ہو سکا

سوائے ہوا جن گناہوں کی معافی کی تم راہ نہیں نکال سکتے تھے اُن کی اللہ نے نکالی کہ اُسے تمہاری خاطر اپنے ابن وحید کے کفارہ کی بدولت نہایت عجیب راہ نکالی ہے۔ ہاں ایسی راہ جسکے خیال میں عقل حیران اور سرگردان رہ جاتی ہے۔ ایسی راہ جس سے الہی محبت رحم عدل اور قدوسیت کا جلال ظاہر ہوتا ہے۔ یہ راہ الہی راہ ہے کیونکہ عقل انسانی ہرگز ہرگز ایسی راہ نہیں خیال کر سکتی تھی نکالنا تو بجائے خود رہا۔ یہ ایسی راہ ہے جسے دیکھتے فرشتے بھی حیران رہ جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی لامحدودیت اور عقل کی ستائش کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسی راہ ہے جس سے ہم گنہگاروں کو نجات مفت میں مل جائے تو بھی وہ ایسی نجات ہو جسے خود ابن اللہ نے اپنا خون بہا کے خریدا ہو۔ یہ ایسی راہ ہے جس سے نجات کے بے شمار نتائج و فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔ یہ وہی راہ ہے جس کا وعدہ ہمارے خدا مجد بابا آدم سے کیا گیا تھا کہ عورت کی نسل سے ایک ہو گا جو شیطان کو شکست دے گا اور شیطانی قید کو توڑے گا۔ یہ وہی راہ ہے جسکے منتظر خدا کے تمام برگزیدے رہے جو ربنا یسوع کے مجسم ہونے سے پہلے ہوئے ہیں۔ یہ وہی راہ ہے جس میں انہوں نے الہی فضل کی روشنی کو دھندلا سا چکنا دکھیا اور سر جھکا کے تسلیم کیا۔ یہ وہی راہ ہے جس میں انہوں نے خدا کو پایا۔ اور جس میں مسیح خداوند کے وقت سے لیکر آج تک کروڑوں کروڑوں لوگوں نے خدا سے میل حاصل کیا اور خوش ہوئے۔ خدا صرف اسی راہ میں ملتا ہے اور اسی میں مل سکتا ہے۔ اور سب راہیں سچ ہیں کیونکہ وہ اللہ سے نہیں ہیں۔ اُن سے

عاقبت کا کچھ بھی فائدہ نہیں ہے۔ مثلاً ایک راہ یہ ہے کہ نیکی کرو اور خدا کا جمل دیکھو گے۔ یہ ایسی راہ ہے جس سے گنہگار کو کیا فائدہ کیونکہ جس نے اللہ سے بغاوت کی اور اُسکے پاک حکموں میں سے ایک کو بھی توڑا اُسے اپنے اوپر ایسی سزا اور غضب کو برنگیختہ کیا اور نہ صرف یہ بلکہ اُس ایک گناہ کی تاثیر سے ایسا خراب ہو گیا اور بگڑ گیا ہے کہ جسے نیکی کہتے ہیں وہ مطلق اُس میں نہیں ہے۔ انسان کی نسبت خواہ وہ کیسا ہی نیک کیوں نہ ہو خدا کے سامنے سرتاپا گنہگار ہے۔

ایک اور راہ یہ ہے کہ توبہ کرو اور نجات پاؤ گے۔ یہ بھی لا حاصل اور دل لگی کی سی بات ہے کیونکہ کتاب ہذا میں ہم نے اچھی طرح ثابت کر دیا ہے کہ توبہ کا علاقہ بیشتر ہماری آئندہ کی زندگی سے ہوتا ہے۔ جو کچھ ہم سے ہو چکا ہے توبہ اُسے سرودور نہیں کر سکتی چہ جاکہ اُسکے اثر کو دور کرے مثلاً اگر کوئی بڑا اونچے درخت پر سے گر پڑے اور اسکی ٹانگ ٹوٹ جائے تو ایسا شخص کہے کہ میں توبہ کر رہا ہوں آئندہ درخت پر نہ چڑھوں گا۔ تو کیا توبہ اُسکی ٹانگ کو درست کر سکتی ہے۔ ہرگز نہیں۔

پراہیک اور راہ یہ ہے کہ فلاں فلاں شخص تمہاری شفاعت یا سفارش کرے اور خدا سے کہے گا کہ یا اللہ یہ میرا بیٹا ہے یا میری اُمت ہے تو اسے بخش دے۔ یہ بات بھی بالکل بغوسی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا عدل اور قدوسیت ایسے ہیں کہ ٹوٹ نہیں سکتے۔ نہ وہ کسی کی طرفداری کر سکتا ہے اور اگر بغرض محال وہ یہ کام کرے بھی تو یہ اُسکی قدوسیت کی

شان کے نہ صرف خلاف ہے بلکہ میرا اس پر ایک بڑا بھاری داغ بھی لگتا ہے +
 ایک اہ یہ بھی ہے کہ خدا باطل محبت ہے اور ہم گنہگاروں سے اتنا پیار کرتا ہے کہ ہماری خطاوں
 کو آپ ہی آپ بخشت دیتا ہے۔ یہ بھی ایسی بات ہے کہ خدا کی خدائی کی شان اور اس کی قدوسیت کے
 عین خلاف ہے۔ اور اس کو جو قدوس ہے ناپاک انسان کے درجہ سے بھی کم کر دیتی ہے۔ ہمیں
 کچھ کلام نہیں کہ خدا محبت ہے اور اس کی حیل کی نورانی صداقتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ
 اللہ محض محبت ہی نہیں ہے بلکہ حاکم بھی ہے۔ قدوس بھی ہے عادل بھی ہے۔ دنیاوی حاکم
 کب اپنی سلطنت کی حرمت اور اپنے قانون کی عزت کے خلاف کرتے ہیں جو خود ان کی ہی
 کے تابع ہوتے ہیں اور جب ان کا پورا اختیار ہوتا ہے جب چاہیں اور صراط چاہیں ان کو تبدیل
 ترسیم وغیرہ کریں پر بالفرض اگر کسی فرد نے اپنے منصبی عہدہ کے فرائض اور جوابدہی کے خلاف
 جان بوجھ کے کیا بھی تو لوگ باز دل کہتے ہیں کہ وہ شخص حاکم ہونے کے لائق نہیں ہے۔ اور
 اس کا سزاوار نہیں ہے حاکم کی عزت یا حرمت اسے دیکھائے جب تبدیل زیر اور گنہگار انسان
 کی نسبت یہ کہلے کہ جہاں تو وہ جولا تبدیل اور انسانی خیالات برمی ہے کب اپنی سلطنت اور
 شریعت کے برخلاف کر سکتا ہے جو اس کی ذات و نسبتیں۔ مراد یہ ہے کہ خدا اپنی الہی ذات و
 صفات کو بدلنے کے بغیر اخلاقی احکام اور اخلاقی سلطنت کو بھی بدل نہیں سکتا +
 پس ظاہر ہے کہ ان باتوں سے گنہگار کی نجات نہیں ہو سکتی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یا تو نجات ہوگی یا
 کتنی یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کفارہ کی راہ ایسی نکالی ہے جس کے وسیع ہر ایک گنہگار اللہ سے معافی

اور عزت حاصل کر سکتا ہے۔ اب باقی صرف یہ ہے کہ گنہگار خوشی خوشی ہاتھ بھیلے کہ نجات لے لے۔
 وہ نجات جو اس کی نیکی نہ اس کی توبہ اور نہ کسی کی سفارش اسے دے سکتی تھی پر جسے خداوند یسوع نے اپنی
 خون سے خریدا اور اب مغفرت اسے دیتا ہے +

وہ لوگ جو غیور سچی ہیں چاہئے کہ ہوشیار ہو جائیں کیونکہ اس راہ سے ہر سنا جسے الہی حکمت
 اور محبت اور فضل نے خود ایجاد کیا ہے برسی خراب بات ہے اور بڑا بھاری گناہ ہے۔ اگر وہ خدا کی محبت اور
 مہربانی کے کام کی تحقیر کرتے ہیں تو اپنی سزا کے دکھ کو بڑھاتے جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ نہ صرف
 خدا کے باغی ہیں بلکہ اس بندوبست کی قدر بھی نہیں کرتے جو اللہ نے اپنے بیٹے کو وسیلے کیا ہے۔
 بہشت کا راہ کھلا ہے اللہ تعالیٰ ان کو بلاتا ہے اگر اب بھی دوزخ میں جائیں تو ان کا اپنا ہی قصور ہے۔ خداوند
 یسوع ہاتھ بڑھا کے نجات دیتا ہے اگر وہ ہاتھ بڑھا کے نہ لیں تو نقصان ان کا ہی ہے۔ یسوع کے ساتھ
 نجات ہے۔ اس کے بغیر دوزخ اور ہلاکت جسے چاہیں قبول کریں +

دوم

یسوع مسیحی سے ہم چند کہلے کہتے ہیں کہ ہم کو کتنا زیادہ شکر گزاری کا موقع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کے
 واسطے اپنی رحمت سے نہ صرف نجات کی راہ نکالی ہے بلکہ حقیقت میں ہم کو اپنے زبردست بازو سے
 پکڑ کے اس راہ میں لے بھی آیا ہے اور یہ بھی دکھایا ہے کہ اس راہ سے کون کون الہی برکات ہم پر کس طرح
 نازل ہوتی ہیں۔ پس ہم کو خاص طور پر شکر گزار ہونا اور شکر گزاری اور حمد کرنا یہاں سے اس لئے کہ ہم پر خاص طور پر
 فضل ہوا ہے۔ اب میں جو قلم الحروف ہوں مسیحی بھائیوں سے التماس کرتا ہوں کہ خدا کے فضل کو حاصل کر کے
 اب غصہ اور مناسبت ہے کہ ہم اپنے غائی جسم کو بھی خواہشوں اور شہوتوں کو جو طرح طرح کے برے کاموں

اور خیالوں اور کلموں میں ظاہر ہوتے ہیں مسیح خداوند کے ساتھ صلیب میں اور وحانیت اور تقدیس کا
مزدہ دیکھیں کیونکہ ایک دن یہ دنیا اور جسم اور جسم کی خواہشیں خواہ کیسی ہی پیاری کیوں نہ ہوں اور دنیا
کی چیزیں خواہ کیسی ہی مغرب کیوں نہ ہوں۔ غرض کہ سب کچھ چھوڑ کے وہاں جانا ہے جہاں وحانیت
اور تقدیس کا کمال ہے اور جہاں کوئی ناپاک اور جس سرگزشت نہیں سکتا +

کیا فائدہ ہے کہ سارے جہان کا علم حاصل کریں یا بے آدمی کہلا لیں۔ یا بڑی عزت اور دولت
حاصل کریں پر خدا سے دور رہیں۔ یہ تمام چیزیں بے سود اور لا حاصل ہیں۔ اللہ ملا تو سب کچھ ملا۔
پس غریب ہو یا امیر تندرست ہو یا بیمار غلام ہو یا آزاد غرض کہ جس حالت میں ہو خداوند یسوع مسیح کا
دل سے شکر کرو اور اسی کے ہو رہو یہ خیال کر کے کہ تم لب اپنے نہیں بلکہ خون خریدے ہو۔ پس
ساری نیکی اور پاکیزگی اور خدا کی فرمانبرداری میں دل بدن ترقی کرتے جاؤ اور جلال سے جلال اور
کمال سے کمال پر اڑ کے پہنچو۔ اور خداوند کی واسطے پاک اور مقدس قوم بنو اور خدا کا جلال ظاہر کرو جس نے
تم کو اپنا لپ لپ بٹیا بنا لیا ہے اور با عیانہ نہیں بلکہ فرزندانہ سلوک اپنے باپ خدا کے ساتھ کرو
اور وہ چال چلو جو نور کے فرشتوں کے لائق ہے +

اب خدا باپ خدا بیٹے اور خدا روح القدس جو اکیلا سچا اور زندہ خدا ہے اور خواہست
کہ ہم سب کو ابدیت کے واسطے تیار کرے۔ خداوند یسوع مسیح کے وسیلے سے آمین +

الواق

رشتن پریس امرتسر

اکتوبر ۱۹۶۶ء

بندہ ایم حنیف مسیحی

Rev Michael Joseph. Cell # 92 300 7233 854.
yscaljesus@gmail.com
vesmicheal@yahoo.co.uk
Evenglist Yousaf Masih.
Cell # 92 300 7233 853.